

حضرت مولانا محمد یونس صاحبِ جون پوری
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم بہار پور کی دینی، علمی، فکری اور روحانی زندگی کے
نقوش و آثار کا ایک سہ سہری جائزہ، بعض اہل علم و قلم کے مضامین و
مشاہدات اور آپ کے علمی باقیات کی روشنی میں۔

ذکر یونس

ترتیب

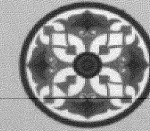
محمد سلمان گنگوہی
خادمِ تدریس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

مکتبہ فیض مجہول
محکمہ بہار والدین گنگوہ، بہار پور یو پی

حیاتِ نھومیان

حکیم زمانہ طبیبِ مازق، برہتہ اسلاف حضرت اقدس الحاج
مولانا حکیم محمد ادریس گنگوہی المعروف حکیم نھومیان صاحب گنگوہی
یعنی نیرہ اکبر امام ربانی حضرت اقدس الحاج مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی
وہما ز صحت حکیم الامت حضرت اقدس الحاج مولانا اشرف علی صاحب قنوجی کے حالات زندگی

جانب و مقب
محمد سلمان گنگوہی



ناشر

مکتبہ فیض مجہول، محکمہ بہار والدین گنگوہ، بہار پور یو پی

Maktaba Faiz-e-Mahmood

Moh. Bahauddin, Gangoh
Distt. Saharanpur (U.P.)

بسم الله الرحمن الرحيم

امیر المؤمنین فی الحدیث

حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی دینی، علمی، فکری اور روحانی زندگی کے نقوش و آثار کا ایک سرسری جائزہ۔ بعض اہل علم و قلم کے مضامین و مشاہدات اور آپ کے علمی باقیات کی روشنی میں۔

ذکر یونس

مرتب

محمد سلمان گنگوہی

خادم تدریس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ناشر

مکتبہ فیض محمود، محلہ بہاؤ الدین گنگوہ سہارنپور یوپی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب..... ذکر یونسؒ

جامع و مرتب..... (مولانا مفتی) محمد سلمان مظاہری گنگوہی
مدرس حدیث و افتا جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ناشر:- مکتبہ فیض محمود، محلہ بہاؤ الدین گنگوہ سہارنپور یوپی۔ پن نمبر 247341

Cell: 09411623689

تعداد صفحات:..... ۱۸۴

سن اشاعت:..... ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۸ء

قیمت:..... ۱۰۰ روپے

..... ملنے کے پتے:

مکتبہ لبنان محلہ بہاؤ الدین گنگوہ سہارنپور۔ یوپی

اتحاد بکڈ پوڈیو بند

مکتبہ امداد الغرباء محلہ مفتی سہارنپور

فہرست عناوین

کیا	کہاں
انتساب	۷
تقدیم	۸
از: محمد سلمان گنگوہی	
حضرت شیخ کی کہانی، خود ان ہی کی زبانی	۱۳
از: مولانا محمد حماد کریکیندوی	
تمہید	۱۳
ایک خود نوشت مرقع	۱۸
اسم گرامی	۱۸
ولادت	۱۸
طفولت و تعلیم	۱۸
علاقہ کا حال	۱۶
بچہ کا خطبہ، بڑے کی امامت	۲۱
گاؤں کا حال	۲۱
عربی کی تعلیم	۲۲
منظا ہر علوم میں داخلہ	۲۲
منظا ہر علوم کی مسند تدریس پر	۲۳
درس حدیث	۲۳
شیخ الحدیث کے منصب پر	۲۳
امراض کے باوجود علمی شغل	۲۴

فہرست عناوین

کیا	کہاں
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی پہلی زیارت	۲۵
”وہ تو بہت پکا تھا تو تو بہت کچا ہے“	۲۵
دستر خوان پر اکرام	۲۶
دلچسپ بحث	۲۷
ترکیہ کی طرف عدم التفات	۲۸
بیعت میں انقیاد ضروری	۲۹
منامی بشارت	۲۹
خصوصی بیعت	۲۹
قیمتی نصائح	۳۰
مقرباں را بیش بود حیرانی	۳۱
عطایا کی بارش	۳۲
ذکر کی تجویز میں توارد	۳۳
معمولات میں اضافہ	۳۴
ناظم صاحبؒ کی طرف سے خلافت	۳۵
حضرتؒ کی طرف سے اجازت	۳۵
خواب میں حضرت مدنیؒ کی زیارت	۳۷
حضرت شیخ کا استغنا	۳۷
میرے مشفق شیخ	۳۸
از: محمد سلمان گنگوہی	

فہرست عناوین

کیا	کہاں
حضرت شیخ کو تین اعمال پر بہت پابندی سے کاربند پایا	۴۸
سند الحدیث للشیخ یونس الجوفوری (سند البخاری)	۵۵
عہد رواں کے امام شعبہؒ	۵۸
از: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی	
آہ! حضرت مولانا محمد یونس جو پوریؒ	۶۳
از: حضرت مولانا محمد سعیدی	
”پندرہویں صدی ہجری کے عظیم محدث“	۸۰
از: حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی	
برائے نام بھی محفل میں روشنی نہ رہی	۸۸
از: مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری	
نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری	۹۶
از: مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری	
سخنہائے گفتنی	۱۱۳
از: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ	
بخاری شریف کا ایک سبق..... حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ	۱۱۶
طلبہ سے خطاب	۱۵۶
علم کی اہمیت اور اس کا مقصد	۱۶۶
علم نور ہے	۱۶۶
علم خلافت کی بنیاد ہے	۱۶۷

فہرست عناوین

کیا	کہاں
علم پیغمبروں کی وراثت اور اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے	۱۶۸
علم کیلئے محنت اور ادب شرط ہے	۱۶۹
علم کا کیا مقصد ہے؟	۱۷۱
تعلیم کے ساتھ تبلیغ	۱۷۲
عمل کیلئے صالح صحبت کی ضرورت ہے	۱۷۳
اپنے ایمان کی فکر کیجئے دنیا کو تمہاری ضرورت ہے	۱۷۴
مُسابقتِ عمل میں ہو	۱۷۴
علمی باقیات	۱۷۶
تصنیفات و تالیفات	۱۷۶
حضرت موصوف کے دیگر رشحاتِ قلم یہ ہیں	۱۷۷
مرثیہ	۱۷۸
از: مولانا عبدالوہابی منانی	
ذکر شیخ	۱۷۹
از: حافظ محمد قاسم لوہاری	
آہ یونس ہر دل عزیز	۱۸۰
از: مولانا ولی اللہ ولی بستیوی	
سوزِ غم	۱۸۲
از: مولانا ولی اللہ ولی بستیوی	
عکس تحریر حضرت مولانا محمد یونس جو پوریؒ	۱۸۴

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

تقدیم

مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور دارالعلوم دیوبند کے چھ ماہ بعد رجب ۱۳۸۳ھ میں قائم ہوا اور اول تاسیس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو ایسے ایسے اصحاب تقویٰ و فضل و کمال عطا فرمائے کہ جنہوں نے اپنی عمریں اللہ فی اللہ وقف کیں اور ہر میدان میں انہوں نے خالصۃً للہ حمدہ تعالیٰ دینی و تربیتی و اصلاحی خدمات انجام دیں، انہیں حضرات کے اخلاص کی بدولت آج جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا نام دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ہر جگہ عظمت و احترام اور وقعت سے لیا جاتا ہے اور جامعہ کے فضلاء ماشاء اللہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے دور میں سہارنپور میں دشمنانِ دین اسلام کے خلاف جگہ جگہ پر تقریریں کر رہے تھے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے مدرسہ میں تعلیم موقوف کرا کر طلبہ کو پورے سہارنپور کے چوراہوں پر اسلام کی حقانیت پر تقریر کرنے کے لئے پھیلا دیا، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مخالفین اسلام بھاگتے ہوئے نظر آئے، خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے جگہ جگہ پر مخالفین اسلام سے مناظرے کئے، بقول حضرت فقیہ الامتؒ ایک مرتبہ حضرت سہارنپوریؒ حج کے لئے جا رہے تھے بمبئی میں بدعتی حضرات نے اعلان کیا کہ ہم مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ حضرت کا جہاز تیار ہے مناظرہ کے لئے نہیں

انتساب

زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی تحریر یا تالیف امت کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو پیش کنندہ اس کو کسی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کرتا ہے اسی دستور کی رعایت میں یہ سیہ کار ان تحریرات کو جو فی الحقیقت چند سطروں کے علاوہ امت کے معزز و مقتدر علماء کی تحریرات ہیں اپنے جملہ اساتذہ کرام و والدین محترمین نیز اپنی مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور و جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

آئیں گے اور ہم اعلان کر دیں گے کہ ہم نے مناظرہ کا چیلنج کیا لیکن مولانا بھاگتے ہوئے نظر آئے، لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں اکیلا مناظرہ کے لئے جاؤں گا اگر جہاز کا وقت ہو جائے آپ لوگ چلے جانا، میں بعد میں آ جاؤں گا، حضرت اس علاقہ میں تشریف لے گئے اور چودہ دن وہاں پر قیام کیا کوئی چیلنج کرنے والوں میں سے سامنے نہیں آیا حضرت چودہ دن وہاں جگہ جگہ تقریریں کرنے کے بعد واپس ہوئے اس کے بعد حج کے لئے روانہ ہوئے، ان قربانیوں کے باوجود جبکہ حضرت کی ماہانہ تنخواہ چالیس روپے تھی دس کا اضافہ ہوا تو اس پر فرمایا کہ ہم سے تو چالیس روپے کا حق بھی ادا نہیں ہوتا پچاس روپے کا ہم حق کس طرح ادا کریں گے۔

ایک مرتبہ گنگوہ آریہ سماج والوں نے اہل اسلام کو مناظرہ کا چیلنج کیا مظاہر علوم سہارنپور سے مناظر اسلام حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم جامعہ ہذا اور حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی اور دارالعلوم دیوبند سے مولانا معظم علی صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند اور مولوی عتیق الرحمن صاحب آروی گنگوہ تشریف لائے، اس کی روئداد ”اعلان حق“ نامی مختصر رسالہ میں دیکھی جاسکتی ہے، یہ مناظرہ ۱۲ فروری ۱۹۳۵ء میں گنگوہ میں ہوا، اسی مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا عبدالرحمن کیمل پوری خلیفہ حضرت تھانویؒ تھے جنہوں نے اپنے شیخ حضرت تھانویؒ سے دریافت کیا کہ ہم مدرسہ کا گھنٹہ بجنے کے بعد اپنے کمرہ سے سبق پڑھانے کے لئے چلتے ہیں کیا کمرہ سے درس گاہ جانے تک کا وقت یہ حاضری میں شمار ہوگا یا نہیں؟ تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ کو درس گاہ میں پہنچنے کے بعد گھنٹہ بجنا چاہئے یعنی گھنٹہ بجنے سے پہلے آپ کو درس گاہ پہنچنا چاہئے یہ درمیان کا وقت حاضری میں شمار نہ ہوگا، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمل پوریؒ کا ملفوظ ہے

کہ جو طالب علم محنت کرے گا وہ کامیاب ہوگا چاہے کتنا ہی کند ذہن ہو اور جو طالب علم محنت نہیں کرے گا وہ ناکام ہوگا چاہے کتنا ہی ذہین ہو، اسی جامعہ کے مدرس حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہی تھے کہ ایک مرتبہ حضرت الحاج مولانا قاری شریف احمد صاحب بانی و ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ جب مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے حضرت مولانا قدوسی صاحب کے ہمراہ پنجاب کے علاقہ میں گئے وہاں سے ایک صاحب نے کچھ دال مدرسہ کے لئے اور کچھ دال حضرت مولانا قدوسی صاحب کے لئے دی، لیکن مولانا زکریا قدوسی صاحب گنگوہی نے واپسی پر قاری شریف احمد صاحب سے کہا کہ یہ پوری دال مدرسہ میں داخل کر دینا، کیونکہ دینے والے نے یہ دال مجھ کو مدرسہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے دی، اگر مدرسہ سے ہمارا تعلق نہ ہوتا پھر دیکھتے کہ ہمارے لئے دی یا نہیں، بہر حال پوری دال جامعہ مظاہر علوم کے مطبخ میں جمع کرادی۔

اسی جامعہ میں حضرت قطب عالم مولانا الحاج محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم المدنی متوفی شعبان ۱۴۰۲ھ نے جامعہ ہذا کی دیگر خدمات کے ساتھ ساتھ مجملہ تعالیٰ تقریباً تینتالیس سال درس حدیث کی خدمات انجام دیں، اس عرصہ میں ۱۸۲۱ طلباء نے آپ سے حدیث شریف پڑھی ۱۳۸۸ھ میں نزول آب اور دوسرے اعذار کی وجہ سے جب آپ کو درس و تدریس جاری رکھنا مشکل ہو گیا تو بخاری شریف کا درس حضرت مولانا محمد یونس صاحب جو پوریؒ کے حوالہ کر دیا، ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ میں آپ باقاعدہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث بنا دیئے گئے اور تاحیات آپ جامعہ ہذا کے شیخ الحدیث رہے، فالحمد لله علیٰ ذالک۔

بہر حال مجھے صرف یہ بتانا ہے کہ اس جامعہ مظاہر علوم میں کیسے کیسے اصحاب کمال رہے ہیں یہ واقعات تو صرف مشتے از خروارے کے طور پر ہیں اسی جامعہ کے شیخ

الحمدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جو پوری متوفی شوال ۱۴۳۸ھ تھے جنہوں نے تقریباً نصف صدی حدیث پاک کی خدمت کی اور بحمدہ تعالیٰ یہ خدمت لوجہ اللہ کی، مصدر فیاض نے شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب قدس سرہ کو طاہری و باطنی علوم و کمالات سے خوب خوب نوازا تھا، کثرت مطالعہ، بے پناہ کتب بینی، قدیم و جدید مراجع پر فاضلانہ نظر اور دریائے سلوک و احسان کی شناسوری نے ان میں جامعیت کی شان پیدا کر دی تھی، انہیں دیکھ کر متقدمین اہل علم کے تئیں حسن اعتقاد میں اضافہ ہوتا تھا، ان کے رسوخ فی العلم اور درس حدیث پر غیر معمولی ژرف نگاہی رکھنے کے سبب آج انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث جیسے لقب سے یاد کیا جا رہا ہے جس کے بلاشبہ وہ مستحق بھی تھے۔

آپ کا سانحہ وفات پیش آیا تو اوساط دین و ادب میں رنج و الم کی لہر دوڑ گئی اور درس حدیث کے حلقے بھی بے کیف سے ہو گئے، آج علم و مطالعہ خصوصاً درس حدیث کا ہر رسیا ان کے خلا کو شدت سے محسوس کر رہا ہے، لوح و قلم کی پرورش کرنے والے انہیں چاہتوں کا خراج پیش کر رہے ہیں، بے شمار لوگ اور اہل تعلق ان کی زندگی کے نقوش و آثار پر طبع آزمائی کر رہے ہیں، بندہ کی بھی خواہش تھی کہ حضرت شیخ پر اپنی بھولی بسری یادوں کے سہارے کوئی تحریر مرتب کر کے اپنا غم ہلکا کر لیا جائے، اللہ جزائے خیر دے حضرت مفتی خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم کو انہوں نے جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے ترجمان ماہنامہ ”صدائے حق“ گنگوہ میں حضرت شیخ پر کچھ لکھنے کا حکم دیا، سردست اس خاکسار کے ذہن میں جو محفوظ تھا وہ مضمون کی صورت میں ترتیب دیدیا، چنانچہ یہ مضمون صدائے حق بابہ ماہ جولائی اگست اور ستمبر اکتوبر ۲۰۱۷ء کے حالیہ شماروں میں بالاقساط شائع ہوا جسے پڑھ کر بعض احباب نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اسی سے مزید داعیہ یہ

پیدا ہوا کہ کیوں نہ حضرت کی حیات و خدمات اور علمی باقیات کا ایک اجمالی تعارف ترتیب دیدیا جائے، چنانچہ پیش نظر کتاب ”ذکر یونس“ اسی خیر خواہانہ جذبہ کی عملی شکل ہے جس میں شامل تاثرات و مضامین کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ حرف انتساب کے معاً بعد بندہ کا تحریر کردہ مختصر سا مقدمہ ہے بعدہ برادر مکرم مولانا حماد کریمی ندوی کا ترتیب دادہ مضمون بنام ”شیخ الحدیث مولانا محمد یونس کی کہانی، انہیں کی زبانی“ کتاب کا حصہ ہے، پھر احقر کا ایک مضمون ہے اس کے بعد بالترتیب حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی ناظم و شیخ الحدیث ثانی جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، حضرت مولانا محمد سعیدی ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور، حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی محدث و ادیب دارالعلوم وقف دیوبند، مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری مدرس و مدیر ماہنامہ ”صدائے حق“ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، اور مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے مضامین ہیں، بعد ازاں شیخ الحدیث اور صاحب تذکرہ حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ کا ازراہ نمونہ بخاری شریف کا آخری درس دیگر دو اہم خطبات کے ساتھ شامل اشاعت ہے، جبکہ اخیر میں منظوم تعزیتی تاثرات ہیں، دعا ہے کہ رب کریم حضرت شیخ کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے اور ان کے پاکیزہ نقوش قدم کو پس آئندگان کیلئے چراغِ راہ ثابت فرمائے آمین، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

محمد سلمان گنگوہی

خادم حدیث نبوی شریف جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۱۳/۳/۱۴۳۹ھ

حضرت شیخ یونس صاحبؒ کی کہانی، خود ان ہی کی زبانی

ترتیب و پیشکش: محمد حماد کری ندوی

ناظم المعهد الاسلامی العربی، وائیڈیو مجلہ النبی، مرڈیشور، بھٹکل

Mob: 9889943219

تمہید:

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے آخری دین متین کو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرما کر اسے قیامت تک کے لئے محفوظ فرمانے اور اعداء دین کی شریکوں سے بچانے کا خود ہی وعدہ اور انتظام فرما دیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سورہ حجر: ۹) ترجمہ: ”ہم نے یہ نصیحت نامہ اتارا ہے، اور ہم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے“، اور ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ، وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (سورہ توبہ: ۳۲) ترجمہ: ”یہ اپنے پروپیگنڈہ اور زبانی مہم کے ذریعہ اللہ کی روشنی بجھا دینا چاہتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو مکمل کر کے رہے گا، چاہے ان منکروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو“، اور اسی دین متین کی تشریح احادیث رسول ﷺ ہیں، جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (سورہ قیامہ: ۱۹) ترجمہ: ”پھر اس کی وضاحت و تفسیر بھی ہماری ذمہ داری ہے“۔

البتہ اسباب ظاہری کے طور پر اس کی حفاظت کا کام اپنے بندوں سے لیا، چنانچہ

قرآن کریم کے الفاظ و حروف اور اس کو صحت سے پڑھنے کا التزام حفاظ و قراء کرام سے کروایا، اور اس کے معانی کی حفاظت مفسرین کرام سے اور احادیث رسول ﷺ کی حفاظت محدثین عظام سے، اور دونوں سے معانی و احکام کا استنباط فقہاء کرام سے کروایا۔ حفاظت کے دو طریقے ہیں (۱) حفظ (۲) کتابت۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے شاگردوں کی پہلی جماعت یعنی صحابہ کرام اور پھر درجہ بدرجہ خیر القران کے حافظہ اس قدر قوی تھے کہ جو سنتے من وعن وہ محفوظ ہو جاتا، اور پھر انہیں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس قدر محبت و عشق تھا کہ آپ کی ہر ہر ادا اور کیفیت بیان تک کو محفوظ رکھا، اور پھر اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اگلوں تک بھی پہنچا دیا، اور اس کا خود رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا، چنانچہ ارشاد ہے: (أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ الْعَائِبَ) اور ارشادِ نبوی ہے: (نَضَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي، فَحَفِظَهَا، وَوَعَاَهَا، وَأَذَاهَا كَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْعَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ)، پھر جب حفظ میں کمزوری آنی شروع ہوئی تو اس کی جگہ کتابت نے لے لی، اور کتابت حدیث بھی خود رسول اللہ ﷺ کے دور سے ثابت ہے، اور آج تک اس کا تعامل جاری ہے۔

اب ممکن تھا کہ کوئی فضائل کی تحصیل کے شوق میں ہر رطب و یابس روایت کرنا شروع کر دے، جس سے خلل فی الحدیث واقع ہو تو اس کا سد باب ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (سورہ حجرات: ۶) ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر متقی کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو“ کے عام حکم سے اور (مَنْ كَذَبَ عَلَىٰ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) کے خاص حکم سے

کردیا، جس کی وجہ سے ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین کرام نے وضع حدیث کے تمام راستوں کو بند کر دیا، اور چودہ صدی گزرنے کے باوجود آج بھی صحیح وضعیف اور موضوع و مذبذب روایات میں امتیاز سہل ہو گیا۔

الحمد للہ ہر صدی میں ایسے اصحاب الجرح والتعدیل اور محقق علماء محدثین موجود رہے، اور نہ صرف عرب اور اسلامی ممالک میں بلکہ عجم و ہند میں ایسے علماء کثیر تعداد میں رہے ہیں، جنہوں نے محنت کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔

ماضی قریب میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور ان کے بعض تلامذہ، اسی طرح حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی اسی شان کے محدثین میں سے تھے۔

عہد حاضر میں حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جوہپوری اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی تھے۔ (ماخوذ باختصار، از عرض مرتب بر کتاب الیواقیت الغالیہ، بقلم: محمد ایوب سورتی، ص: ۱۶۱۵)

مولانا ایشیا کے عظیم الشان ادارہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی مسندِ درس پر تقریباً چالیس سال سے فائز رہے، اور ہزاروں تشنگانِ علم و معرفت کی پیاس بجھاتے رہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نے اپنی حیات ہی میں آپ پر اعتماد فرما کر بخاری شریف کی تدریس کی خدمت آپ کے سپرد فرمادی تھی، پھر کچھ دن کے بعد بیعت و ارشاد کی بھی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔

برصغیر میں بخاری شریف کا درس معیارِ فضل و کمال ہی نہیں، بلکہ علم و فضل اور تقدیس و پاکیزگی کا بھی امین سمجھا جاتا ہے، آپ کی ذاتِ گرامی یقیناً فضل و کمال، علم

و عمل، تقویٰ و طہارت، صبر و قناعت، توکل و رضا، خوف و خشیت اور انابت الی اللہ کی ایک جامع و مکمل تصویر تھی۔

تمام علوم و فنون میں آپ کو مرجعیت کا مقام حاصل تھا، خصوصاً علم حدیث میں تو آپ ہندوستان و ایشیا ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں اس وقت سند کا درجہ رکھتے تھے، بہت سے علماء و محدثین مختلف مقامات سے حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے، اور آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے تھے، نیز اپنے علمی اشکالات پیش کر کے ان کا حل طلب کرتے تھے، اور یہاں آ کر انہیں تشفی ہو جاتی تھی، بہت سے علمائے عرب بھی آپ سے مراجعت کرتے تھے، اور بہت سے حدیث سے شغف رکھنے والے آپ سے سند حاصل کرنے کو اپنے لئے باعثِ فضل و کمال سمجھتے تھے۔

دیگر علوم و فنون کے مقابلہ میں حدیث کا علم غیر معمولی ہے، اس میں ان تمام روایات کے احوال سے باخبر ہونا ضروری ہے، جن کے ذریعہ یہ علم پہنچا ہے، پھر ان لکھوکھا افراد کی زندگی کی تفصیلات، ان کا مزاج و مذاق، ان کا کردار، معاصرین کا ان کے بارے میں خیال کہ وہ ثقہ یا کامل الضبط ہیں یا نہیں وغیرہ، یہ خود ایک مستقل فن ہے۔

اس فن پر آپ کی گرفت تھی، یہ فضلِ الہی اور امتیازی خصوصیت ہے جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے آپ کو ودیعت کی گئی تھی، متن حدیث، سند حدیث، اور حدیث کے مقتضیات و مطالبات اور اس کے معانی و مفاہیم پر نہ یہ کہ آپ کو گرفت تھی، بلکہ بفضلِ ایزدی اس کا القاء ہوتا تھا، آپ کی تحقیقات، روایت و درایت پر نقد و سعتِ مطالعہ اور متقدمین و متاخرین کی کتابوں پر بھرپور نقد و تبصرہ اور علامہ ابن حجر عسقلانی جیسے

جبل العلم فی الحدیث کے مسامحات کا تذکرہ، یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے پوری بصیرت، انہماک، عشق کے سوز اور مجتہدانہ فراست کے ساتھ پورے ذخیرہ احادیث کو کھنگال ڈالا ہو۔

دراصل ابتداء ہی سے آپ نے علم حدیث کے ساتھ اشتغال رکھا، آپ خود فرماتے تھے کہ اگر مجھے کسی سے کچھ پیسے میسر آجاتے تو ان سے حدیث کی کتابیں خرید لیتا، اب آپ کی قیام گاہ پر اپنا ذاتی علم حدیث کا اتنا بڑا کتب خانہ ہے کہ شاید ہی برصغیر میں کسی کے پاس ہو۔

آخری دور میں تو آپ نے عوام و خواص سے کچھ ملنا جلنا بھی شروع کر دیا تھا، اور آپ کی خدمت میں جو حاضر ہوتے، ان کی اصلاح و تربیت، تزکیہ روحانی، اور ان کی اخلاقی حالت پر توجہ فرماتے تھے، ورنہ اس سے قبل تو آپ نے اپنے آپ کو درس و مطالعہ کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

آپ کو صرف فن حدیث ہی پر مکمل گرفت نہیں، یہ تو آپ کی امتیازی خصوصیت تھی، بلکہ دیگر علوم و فنون، صرف و نحو، عروض و معانی، نقد و بلاغت، منطق و فلسفہ، کلام و عقائد، زبان و ادب، فقہ و تفسیر وغیرہ پر بھی مکمل درک تھا۔

آپ نے ابتدا میں حدیث کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں پڑھائی ہیں، اور ان فنون کا حق ادا کیا ہے، اس کے علاوہ تاریخ و جغرافیہ، سیر و سوانح، اور قوموں و ملکوں کے حالات پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، جب بھی مجلس میں کوئی موضوع زیر بحث آجاتا ہے اس پر سیر حاصل مواد میسر ہوتا تھا۔

برصغیر، مشرق وسطیٰ، عالم اسلام اور دنیا کے حالات پر آپ کی گہری نظر تھی، کسی بھی گوشہ میں جو حالات پیش آتے تھے، ان پر آپ کا دل دھڑکتا اور بے چینی محسوس کرتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خصائص و امتیازات عطا فرمائے تھے، ملت کو آپ کی ذات سے نفع کثیر حاصل ہو رہا تھا۔ (ماخوذ باختصار، البیواقیت الغالیہ، و: ۲۱ تا ۲۴)

آپ کے حالات زندگی آپ ہی کے دست مبارک سے ”ایک خودنوشت مرقع“ کے نام سے لکھے ہوئے ہیں، اسی کی تلخیص پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

ایک خودنوشت مرقع

اسم گرامی: محمد یونس

ولادت: تاریخ پیدائش: صبح ۷ بجے بروز دوشنبہ ۲۵ / رجب

۱۳۵۵ھ / اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

طفولت و تعلیم:

ابتداءً جب عمر چھ سات سال کے مابین ہوئی، اپنے شوق سے ایک مکتب میں جانا شروع کیا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ والدہ مرحومہ کا انتقال ہو گیا تھا، جبکہ میری عمر ۵ سال ۱۰ ماہ کی تھی، نانی کے پاس رہتا تھا، وہ چھوٹے ماموں کو مکتب جانے کیلئے مار رہی تھی، میرے منہ سے نکل گیا کہ ہم بھی پڑھنے جائیں گے، اسی وقت کھانا پک گیا اور ڈیڑھ میل پر ایک مکتب تھا جہاں بڑے ماموں کے ساتھ بھیج دیئے گئے، مگر راستہ میں تھک گئے تو ماموں نے کاندھے پر اٹھایا، تھوڑی دور چل کر اتار دیا، اسی طرح کبھی اٹھا

لیتے اور کبھی اتار دیتے، سارا راستہ قطع ہو گیا مگر بچپن کی وجہ سے پڑھنا نہیں ہو سکا، صرف کھیل کود کا م تھا، پھر ایک اور مکتب میں بیٹھے، وہاں کچھ قاعدہ بغدادی پڑھا، ماموں صاحب نے پڑھنا چھوڑ دیا تو ہمارا پڑھنا بھی چھوٹ گیا۔

پھر کچھ دنوں بعد ایک پرائمری اسکول ہمارے گاؤں میں قائم ہو گیا، اس میں جانے لگے، درجہ دوم تک وہاں پڑھا، پھر درجہ سوم کیلئے مانی کلاں کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، سوم پاس کرنے کے بعد والد صاحب نے یہ کہہ کر چھڑا دیا کہ انگریزی کا دور نہیں اور ہندی میں پڑھنا نہیں چاہتا۔

ایک دلچسپ قصہ پیش آیا کہ میں اپنے طور پر ہندی کی پہلی کتاب پڑھ رہا تھا، اس میں لکھا ہوا تھا کہ ”طوطا رام رام کرتا ہے“، والد صاحب نے جب مجھ کو پڑھتے سنا تو فرمایا: ”کتاب رکھ دو، بہت پڑھ لیا۔“

اس کے بعد تقریباً دو سال تعلیم چھٹی رہی۔

علاقہ کا حال:

علاقہ میں عام طور سے جہالت تھی، لیکن عام طور پر لوگ صحیح العقیدہ اور دین کی طرف مائل تھے۔

میرے نانا مرحوم تو میری والدہ کی ولادت سے غالباً پہلے وفات پا گئے تھے، پھر نانی مرحومہ کی دوسری شادی میرے دادا مرحوم کے بڑے بھائی سے ہوئی، جن کو ہم ساری عمر اپنا نانا سمجھتے رہے، اور وہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے تھے، وہ بچپن سے نمازی اور دین دار تھے، عام طور سے ہمارا ہا کرتے تھے، وہاں کوئی عالم رہتے تھے،

جو حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے سلسلے میں منسلک تھے، ان سے اچھا تعلق تھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارے گاؤں میں تعزیہ بنتا تھا، جس میں ہمارے خاندان کے بعض لوگ شریک ہوتے تھے، سنا ہے کہ دادا مرحوم بھی شرکت کرتے تھے، مگر نانا مرحوم نے ڈھول وغیرہ توڑ ڈالے، اور اس بدعت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

والد صاحب تو ہمیشہ ہی بدعت سے دور رہے، لیکن ایک چیز کوئی بھی بدعت نہیں سمجھتا تھا، وہ مولود شریف اور قیام تھا، حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب کی جب آمد و رفت شروع ہوئی تو ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

مجھے اپنے بچپن کا واقعہ یاد ہے جب میری عمر ۹، ۱۰ سال کی ہوگی، میں بچوں کے ساتھ مولود کی مجلس کرتا تھا، ہماری بیل گاڑی تھی، اس پر ہم عمر تین چار بچے جمع ہو جاتے، اور ہم سب سے بڑے علامہ سمجھے جاتے اور مولود پڑھتے، اور پڑھتے کیا، صرف کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھ لیتے اور اس کے بعد گھروں سے جو کھانا وغیرہ لاتے وہ مل کر سب کھا لیتے اور مجلس برخواست ہو جاتی۔

اپنے علامہ سمجھے جانے کا ایک دل چسپ قصہ لکھتا ہوں، میں اپنے گاؤں کے پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا، نو سال کی عمر ہوگی، ماسٹر صاحب موجود نہیں تھے، تھوڑی دیر میں دیکھا ایک جنازہ قریب کے قبرستان میں لایا گیا اور اس کو دفن کیا جانے لگا، ہم نے سب لڑکوں سے کہا کہ ہم نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، جلدی سب لوگ وضو کر لیں، سب نے وضو کیا اور ہم نے نماز جنازہ پڑھائی، نا معلوم کیا ہوا دوبارہ پڑھائی، غالباً سہ بارہ بھی، اور یہ سب مکتب میں ہو رہا تھا، جو اس وقت گاؤں سے باہر ایک شخص کی ایک

عمارت میں تھا، جہاں ان کے بیل اور مزدور رہتے تھے۔

بچہ کا خطبہ، بڑے کی امامت:

ایک اور دل چسپ قصہ لکھ دوں، ہمارے گاؤں میں جمعہ ہوا کرتا تھا، ہم سب سے پہلے غسل کر کے پہنچ جاتے تھے اور خطیب صاحب کی نقل اتار کرتے تھے، ایک مرتبہ اتفاق سے خطیب صاحب موجود نہ تھے اور گاؤں کے بڑے بوڑھے موجود تھے، جن میں میرے نانا بھی تھے، میری عمر ۹، ۱۰ سال سے زیادہ نہ ہوگی، کوئی پڑھا لکھا نہ تھا، صرف قرآن شریف پڑھے ہوئے تھے، اس کے علاوہ کچھ پڑھ نہیں سکتے تھے، حضرت عمرو بن سلمہ الجرمیؓ کی طرح ہم ہی اس وقت سب سے بڑے پڑھے لکھے تھے، ایک صاحب نے ہمیں حکم دیا:

”چل منبر پر اور خطبہ پڑھ۔“

ہم بے خوف چڑھ گئے اور خطبہ شروع کر دیا، ایک جگہ تو ذرا ٹک سی ہوگئی، باقی الحمد للہ صاف ہی پڑھا گیا، نماز ایک دوسرے صاحب نے پڑھائی، ہماری نانی صاحبہ اور دوسرے اعزہ اس سے بہت مسرور ہوئے، مگر خیال یہ پڑتا ہے کہ خطبہ ایک ہی ہوا تھا۔

گاؤں کا حال:

ہمارے گاؤں سے تین میل کے فاصلہ پر مانی کلاں میں جامع مسجد میں تو حفظ پڑھایا جاتا تھا اور اتنا با برکت درس تھا کہ سینکڑوں حفاظ پیدا ہوئے، ہمارے مختصر سے گاؤں میں جس کی اس وقت کی مسلم آبادی زیادہ سے زیادہ پندرہ مکانات پر مشتمل تھی اس میں چھ حفاظ تھے، وہیں مدرسہ ضیاء العلوم تھا، جس میں ہماری ابتدائی تعلیم ہوئی،

ہمارے گاؤں میں سب سے پہلے اس مدرسہ میں مولوی نور محمد صاحب نے پڑھا، جن سے ہم نے تعلیم الاسلام کے کچھ اسباق پڑھے، وہ پھر پاکستان چلے گئے۔

عربی کی تعلیم:

پھر تقریباً ۱۳ سال کی عمر میں مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ مانی کلاں میں داخلہ ہوا، ابتدائی فارسی سے لے کر سکندر نامہ تک اور پھر ابتدائی عربی سے لے کر مختصر المعانی، مقامات و شرح وقایہ و نور الانوار تک وہیں پڑھیں۔

اکثر کتابیں استاذی مولانا ضیاء الحق صاحب سے اور شرح جامی بحث اسم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے، مگر کثرت امراض کی وجہ سے بیچ میں طویل فترات واقع ہوتی رہیں، اس لئے تکمیل کافی مؤخر ہوگئی۔

پھر یہ بھی پیش آیا کہ ہماری جماعت ٹوٹ گئی، ہم نے اولاً شرح جامی، شرح وقایہ، نور الانوار مولانا ضیاء الحق صاحب سے پڑھی تھیں، مگر جماعت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اگلے سال پھر انھیں کتابوں میں داخل کر دیا اور خود پڑھایا۔

مظاہر علوم میں داخلہ:

اس کے بعد شوال ۱۳۷۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں بھیج دیا، یہاں آ کر پہلے سال جلالین، ہدایہ اولین، میبذی اور اگلے سال بیضاوی، سلم، ہدایہ ثالث، مشکوٰۃ شریف اور تیسرے سال یعنی شوال ۱۳۷۹ھ تا شعبان ۱۳۸۰ھ دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی، اور اس سے اگلے سال کچھ مزید کتابیں ہدایہ رابع، صدر، شمس بازغہ،

اقلیدس، خلاصۃ الحساب، درمختار پڑھیں۔

مظاہر علوم کی مسند تدریس پر:

شوال ۱۳۸۱ھ میں معین المدرس کے عہدہ پر تقرر ہوا، وظیفہ طالب علمی کے ساتھ سات روپیہ ماہانہ ملتا تھا، شرح وقایہ اور قطبی زیر تعلیم و تدریس تھیں، اگلے سال بھی یہی کتابیں رہیں اور وظیفہ ۱۰ روپے ماہانہ ہو گیا، اس سے اگلے سال تیس روپے خشک (یعنی بلا طعام) پر تقرر ہوا، اور مقامات و قطبی سپرد ہوئیں، اور اس سے اگلے سال یعنی چوتھے سال شوال ۱۳۸۴ھ سے ہدایہ اولین، قطبی و اصول الشاشی زیر تدریس تھیں۔

درس حدیث:

اسی سال ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ میں حضرت استاذی مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے مشکوٰۃ شریف استاذی مفتی مظفر حسین صاحب کے یہاں سے منتقل ہو کر آئی، جو باب الکبائر سے پڑھائی، پھر آئندہ سال شوال ۸۵ھ میں مختصر المعانی، قطبی، شرح وقایہ، مشکوٰۃ شریف مکمل پڑھائی، اور شوال ۸۶ھ میں ابوداؤد شریف و نسائی شریف و نور الانوار زیر تعلیم رہیں، اور شوال ۸۷ھ سے مسلم شریف، نسائی و ابن ماجہ و مؤمنین زیر درس رہیں۔

شیخ الحدیث کے منصب پر:

اس کے بعد شوال ۱۳۸۸ھ میں بخاری شریف و مسلم شریف و ہدایہ ثالث پڑھائی، وللہ الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ و مبارکاً علیہ، اس کے بعد

سے بحمد اللہ سبحانہ و تعالیٰ بخاری شریف اور کوئی دوسری کتاب ہوتی رہتی ہے۔

امراض کے باوجود علمی شغل:

میں مسلسل بیمار رہا، مظاہر علوم آنے کے چند دن بعد نزلہ و بخار ہو گیا اور پھر منہ سے خون آگیا، حضرت اقدس ناظم (مولانا اسعد اللہ) صاحب نور اللہ مرقدہ کا مشورہ ہوا کہ میں گھر واپس ہو جاؤں، لیکن میں نے انکار کر دیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ و اعلیٰ اللہ مراتب نے بلا کر ارشاد فرمایا کہ: ”جب تو بیمار ہے اور لوگوں کا مشورہ بھی ہے تو مکان چلا جا“، میں نے عرض کیا جواب تک یاد ہے، کہ: ”حضرت! اگر مرنا ہے تو یہیں مر جاؤں گا“ حضرت نے فرمایا کہ: ”بیماری میں کیا پڑھا جائے گا؟“ میں نے عرض کیا، اور اب تک الفاظ یاد ہیں کہ: ”حضرت! جوکان میں پڑے گا وہ دماغ میں اتر ہی جائے گا“ اس پر حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ ”پھر پڑا رہے۔“

یہ ہے حضرت قدس سرہ سے پہلی بات چیت، اس کے بعد ہم تو بہت بیمار رہے، اور گاہ بگاہ جب طبیعت ٹھیک ہو جاتی تو اسباق میں بھی جاتے رہتے، انھیں ایام میں حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب کو اپنی بیماری کا خط لکھا، مولانا نے جواباً لکھا کہ یہ کیا یقین ہے کہ ”خون پھیپڑے سے آیا ہے؟“ اس سے طبیعت کو کچھ سکون ہو گیا، لیکن سینے میں درد رہا کرتا تھا۔

یہ بات اور بھی لکھ دوں کہ جن ایام میں طبیعت خراب تھی، کبھی کبھی دارالحدیث کے شرقی جانب بیٹھ کر حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا درس سنتا اور سوچا کرتا تھا کہ نامعلوم ہم کو بھی بخاری شریف پڑھنی نصیب ہوگی یا نہیں؟ اور رویا کرتا تھا، اس مالک کا لاکھ لاکھ

شکر ہے کہ اس نے توفیق عطا فرمائی اور پڑھنے کی منزل گزر گئی، اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے پڑھانے کی توفیق بخشی، حالات کی ناسازگاری سے جس کی توقع بھی نہیں تھی، لیکن سب فضل و کرم ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکبت گل

نسیم صبح تیری مہربانی !

امراض کے تسلسل کی وجہ سے شادی کی ہمت ہی نہ ہوئی اور اب بڑھا پا شروع ہو چکا، حدودِ خمسین کے آخری سالوں میں چل رہا ہوں، اب اپنی بیماریوں کی وجہ سے ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر ہوتا کیا ہے، وقت گزر گیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی پہلی زیارت:

حضرت نور اللہ مرقدہ کا نام نامی تو مدرسہ ضیاء العلوم میں اپنے اساتذہ اور خاص طور سے استاذی حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحبؒ سے سنا، پھر جب سہارنپور بغرض تکمیل حاضر ہوئے تو حضرت نور اللہ مرقدہ کی زیارت ہوئی، سب سے پہلی زیارت کی شکل یہ ہوئی کہ میں کسی ضرورت سے مدرسہ کے دفتر میں گیا تو حضرت نور اللہ مرقدہ کو دیکھا، ایک سادہ کرتا پہنے ہوئے تھے جس کا رنگ زرد تھا، غالباً ڈوریا کا ہوگا، لیکن بات چیت نہیں ہوئی، بات چیت تو بیماری کے وقت ہوئی، اس کی ابتداء میں تردد ہے کہ پہلے وہ واقعہ پیش آیا جو اولاً لکھا گیا یا دوسرا واقعہ جو لکھ رہا ہوں۔

”وہ تو بہت پکا تھا تو تو بہت کچا ہے“:

ہمیں جذبہ پیدا ہوا کہ حضرت نور اللہ مرقدہ سے دعا کروانی چاہئے، حضرت

مغرب کے بعد طویل نوافل پڑھتے تھے، ہم بیٹھ گئے، ایک صاحب نے غالباً بیعت کی درخواست دے رکھی تھی، حضرت نور اللہ مرقدہ نے سلام پھیرا اور فارغ ہو کر فرمایا: ”آبھائی“۔

ہم نے سمجھا کہ شاید ہمیں بلارہے ہیں، ہم آگے بڑھ گئے، حضرت نے فرمایا: ”تو نہیں“، ہم بلبل کر رو پڑے۔

بہر حال پہلے حضرت نور اللہ مرقدہ نے ان صاحب کی ضرورت پوری کی، اس کے بعد احقر کا ہاتھ پکڑا، اور ساتھ لے کر کچے گھر چلے اور حال پوچھتے رہے اور بیماری کا تذکرہ کرتے رہے، حضرت نے پوچھا کہ: ”تو کہاں سے پڑھ کر آیا ہے؟“ میں نے عرض کیا ”مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں“ سے۔

حضرت قدس سرہ نے فرمایا: ”کس سے پڑھا؟“ عرض کیا ”حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے“ فرمایا: ”وہ تو بہت پکا تھا، تو تو بہت کچا ہے“۔

اس کے بعد حضرت نے برف کا ٹھنڈا پانی جس میں عرق کیوڑہ ملا ہوا تھا، نوش فرمایا اور کچھ بندہ کے لئے بچا دیا، مگر زیادہ آنا جانا نہیں رہا۔

دستر خوان پر اکرام:

اصل جان پہچان اس وقت ہوئی جب بندہ کا قیام دفتر میں ہو گیا۔

رمضان شریف میں میں اپنی سحری الگ کھا لیتا تھا، ایک رات خواب دیکھا کہ مولانا اکرام الحسن صاحب مرحوم والد ماجد حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ بندہ کی

طرف متوجہ ہیں اور کچھ بات کر رہے ہیں، اسی رات سحری میں حضرت نے بلوایا اور جب کوئی اکرام کی صورت ہونے والی ہوتی تو مولانا اکرام صاحب کو دیکھا کرتے تھے، بہر حال حضرت نور اللہ مرقدہ نے بلوا کر فرمایا کہ:

”مجھے معلوم ہوا کہ تو تنہا ہی سحری کھا لیتا ہے، دیکھ! سحری ہمارے ساتھ کھالیا کر اور اپنی سحری مولوی نصیر کو دے دیا کر“ اور پھر فرمایا: ”سحری کھالی؟“

میں عرض کیا جی ہاں، فرمایا: ”اور کھائے گا؟“ عرض کیا میں کھا چکا ہوں، فرمایا: ”اور کھانے پر بھی تو کھایا جاوے“ ہم بیٹھ گئے، اس کے بعد روزانہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے دسترخوان پر سحری میں حاضر ہو جاتے، اس زمانہ میں حضرت کے یہاں سحری میں پلاؤ کے ساتھ گھی لگی ہوئی روٹیوں کا دستور تھا، حضرت نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ پوچھا: ”گھی چپڑی روٹی مل گئی؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں! حضرت نے پوچھا ”کتنی آئی؟“ میں نے عرض کیا: ایک، حضرت نے دوسری سرکادی، اس کے بعد سے ہمارے لئے دو کا دستور ہو گیا۔

دلچسپ بحث:

ایک مرتبہ دیر سے پہنچا اور حضرت نور اللہ مرقدہ سے ایک بحث بھی کی، جس کا افسوس اب تک ہے۔

حضرت نے پہنچتے ہی فرمایا کہ ”خالی جگہ نہیں! بیٹھ جا“ میں نے کہا بیٹھ کر کیا کروں گا؟ فرمایا: ”قل ہو اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کر“ میں نے پوچھا کسے؟ فرمایا: ”مجھ کو“ عرض کیا زندوں کو؟ تو نے مشکوٰۃ شریف نہیں پڑھی؟“ عرض کیا پڑھی تو ہے، فرمایا

”مسجد عثمانی والی روایت نہیں پڑھی؟“ عرض کیا: پڑھی تو ہے، پوچھا کہ ”کہاں ہے؟“ میں نے عرض کیا مشکوٰۃ کتاب الفتن میں، (یہ روایت مشکوٰۃ کتاب الفتن میں باب الملاحم کی فصل ثانی میں ہے) حضرت نور اللہ مرقدہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا مولانا سید سلیمان ندوی اس حدیث پر میرے معتقد ہو گئے، فرمایا: ”ایک مرتبہ سید صاحب تشریف لائے، انھوں نے یہ حدیث معلوم کی، میں نے کہا: ابو داؤد میں ہے، سید صاحب نے پوچھا کہ کہاں ہے؟ میں نے کہا: کتاب الملاحم میں، اور پھر کتاب منگو کر دکھا بھی دی۔

تزکیہ کی طرف عدم التفات:

ابتداءً بالکل بچپن میں تو طبیعت کا رجحان تھا، لیکن بعد میں بعض وجوہات سے یہ خیال نکل گیا، اور یہی نہیں بلکہ کچھ اس کی اہمیت ہی نہیں رہی، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم نے بعض خطوط میں ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور لکھا: ”تزکیہ ضروری ہے۔“ لیکن اس وقت کتابوں کی طرف غیر معمولی رجحان تھا، ادھر بالکل التفات ہی نہیں، بلکہ ایک مرتبہ جب حضرت نور اللہ مرقدہ اپنے دارالتصنیف میں تشریف فرما تھے اور میں حسب معمول حاضر ہوا، تو تھوڑی دیر کے بعد سوال کیا، کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟ حضرت نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا: ”بالکل نہیں۔“

پھر ایک زمانہ گزر گیا، بہت سے لوگ بیعت کی طرف توجہ دلاتے تھے، جیسے مولانا منور حسین صاحب، مولانا عبد الجبار صاحب اور بعض اصرار کرتے تھے، جیسے صوفی انعام اللہ صاحب، مگر کچھ التفات ہی نہ تھا۔

بیعت میں انقیاد ضروری:

اچانک رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کے عشرہ اخیر میں خیال پیدا ہوا اور بہت زور سے، حضرت نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا، حضرت نے فرمایا: ”بیعت میں انقیاد اور عدم تنقید ضروری ہے، استخارہ کر لے۔“

میں نے عرض کیا: حضرت! میں نے دعاء کی ہے، اس زمانہ میں اپنی دعا پر بڑا اعتماد تھا، مگر حضرت نے فرمایا کہ: ”استخارہ کم از کم تین مرتبہ، اور رات گزرنا اور سونا ضروری نہیں ہے۔“

منامی بشارت:

تیسرے استخارہ میں خواب دیکھا، مولانا اکرام صاحب فرما رہے ہیں کہ ”مدرسہ قدیم آجاؤ آباد ہو جائے گا۔“

ہمارا قیام اس زمانہ میں دارالطلبہ قدیم میں ہو چکا تھا، حضرت نے سن کر فرمایا: ”یہ خواب امید افزا ہے۔“

خصوصی بیعت:

ایک دن رمضان میں ظہر بعد اپنے خلوت خانہ میں طلب فرما کر بیعت فرمایا۔ میں نے اس سے پہلے عرض کیا تھا کہ حضرت! جب عمومی بیعت ہوتی ہے میں بھی سب کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا، مگر حضرت نور اللہ مرقدہ نے انکار فرمایا۔

ایک بات یہ بھی لکھ دوں کہ اس وقت بعض ایسے مشائخ کبار حیات تھے جن سے بندہ کو بہت عقیدت تھی، لیکن بیعت میں حضرت نور اللہ مرقدہ ہی کی طرف طبعی

رجحان تھا اور عقلاً بھی رجحان تھا، نیز یہ بھی کہ حضرت استاذ تھے اور پھر قریب بھی تھے۔

قیمتی نصائح:

ہر وقت پاس رہنا تھا، اس لئے خط و کتابت تو ہوتی نہیں تھی، بعض اوقات یونہی بعض پرچے مدینہ طیبہ سے بھجوائے ان میں بعض نصائح لکھیں اور بعض اوقات زبانی نصائح کیں:

(۱) ایک گرامی نامہ میں لکھا: ”جہاں تک ہو سکے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنا اور ظاہر سے زیادہ باطن میں۔“

(۲) تیسرے سال بلڈ پریشر کی تکلیف پر تحریر فرمایا: ”ایک بات کا خیال رکھیو کہ اگر بیماری میں زبانی معمولات نہ ہو سکیں، تو قلب کو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھیو، اور زبانی معمولات میں درود شریف کو مقدم رکھیو، میں نے درود شریف کے بہت فوائد دیکھے ہیں۔“

(۳) اور یہ تو کئی مرتبہ نصیحت کی: ”کبر سے پورا اجتناب کرنا، اور اپنی نااہلی پیش نظر رہے، اگر کوئی کہے تو اس پر طبعی اثر غیر اختیاری چیز ہے، لیکن برانہ ماننا چاہئے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقلاً یہ خیال ہو کہ ہم تو بہت گندے ہیں، نہ معلوم کتنے عیوب ہیں، اس لئے عقلاً برانہ مانے، واللہ اعلم۔

(۴) ایک خط میں نے لکھا تھا کہ ایک طالب علم بہت اصرار کرتا ہے کہ بیعت کر لو، حضرت نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا: ”ضرور کر لو، سلسلہ چلانے کے لئے بیعت تو ضرور کرنا، مگر اپنی نااہلیت کا استحضار رہنا چاہئے، اگر نہ کرو گے تو یہ سلسلہ بند ہو جائے گا،“

جو سلسلہ حضور ﷺ سے چلا آ رہا ہے، (یہ خط اسٹینگر جنوبی افریقہ سے لکھوایا تھا)۔

(۵) ایک خط میں لکھوایا تھا: ”مدرسہ کے مال میں بہت احتیاط کرنا“۔

(۶) مرکز نظام الدین دہلی میں جب حضرت نور اللہ مرقدہ سے ملاقات ہوئی، تو بالکل خلاف توقع معافہ فرمایا، اور فرمایا کہ: ”اخلاص سے کام کرنا“۔

(۷) آخری خط جو ۱۲/اپریل ۸۲ء کا تحریر کردہ ہے، اس میں میرے ایک خط کے جواب میں لکھا، جس میں میں نے اپنے امراض کی شدت اور خواب میں اموات و مقابروں دیکھنے کا تذکرہ کیا تھا لکھا کہ: ”اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور تم کو دونوں کو حسن خاتمہ کی دولت سے مالا مال کرے، ہر وقت اپنے عمل سے ڈرتے رہنا چاہئے، اگر چہ مالک کا کرم بڑا ہے، اس کے کرم ہی کا سہارا ہے، پھر بھی استغفار کثرت سے کرتے رہنا چاہئے“۔

مقرباں را بیش بود حیرانی:

بھائی! ہم تو حضرت نور اللہ مرقدہ کے سب سے نالائق شاگرد اور ناکارہ و کم فہم مرید تھے، اور پھر مدرسہ کے متعلق معاملات پڑتے تھے، اس میں کثرت سے ڈانٹ پڑتی تھی اور پھر حضرت نور اللہ مرقدہ ویسے ہی ہو جاتے تھے جیسے پہلے۔

ہاں ایک آدھ مرتبہ بعض حضرات نے حضرت کو بہت ہی مکدر کر دیا، لیکن معاملہ کسی اور ذات کے حوالہ تھا، اللہ تعالیٰ نے پھر صفائی کرا دی ہے۔

اور ہمارا مزاج یہ تھا کہ فضول ہم کسی کام میں پڑتے نہیں، اس لئے جب اپنا کام بن جاتا تو پیچھے نہیں پڑتے تھے۔

ایک عجیب قصہ مجمل لکھتا ہوں، لکھنے کے لئے نہیں۔

بعض حضرات نے شکایت کر کے حضرت کو مکدر کر دیا، حضرت ایک رمضان میں رنجیدہ رہے، رمضان تو گزر گیا، اس کے بعد ہم نے ایک پرچہ لکھا جس میں معافی مانگی اور یہ لکھ دیا کہ ”اگر کوئی کام ہو تو میرے حجرہ میں بھجوا دیا جائے، مجھے سردی بہت لگتی ہے“۔

حضرت بہت خوش ہوئے اور کئی بار دعوت کی، اور رمضان شریف میں جن بعض حضرات نے فقرے کسے اور ستایا وہ آئے، اور شرمندہ ہوئے، ہم نے اپنے دل میں کہا کہ ہم حضرت کے شاگرد و خادم ہیں، آپ حضرات کو ان قصوں میں نہ پڑنا چاہئے، اس کے بعد سے وہ صاحب تو ہمیشہ کے لئے بجز اللہ خاموش ہو گئے۔

عطایا کی بارش:

بارہا حضرت نے روپے دئے ۸۴ھ کے حج میں جاتے ہوئے پچاس روپے دئے تھے، اس کی نصب الراية خرید لی، حج سے آکر پوچھا کہ: ”میں نے چلتے ہوئے تجھے روپے دیئے تھے کچھ تیرے کام آئے؟“ میں نے عرض کیا کہ میں نے نصب الراية خرید لی، تو فرمایا کہ: ”اس کے لئے تو عمر پڑی تھی“۔

مقصود یہ تھا کہ دوسری ضروریات میں خرچ کرتے، ”لامع الدراری“ کے ختم پر تین سو روپے دیئے، جس کی ہم نے ”مرقاۃ المفاتیح“ منگوائی، اور متفرق اوقات میں دیتے رہے، کبھی تیس، کبھی پچاس، اکثر پچاس، اور بذل المجھوہ مکمل، لامع الدراری مکمل، اوجز المسالک مکمل، جزء حجۃ الوداع والعمرات اور مختلف رسائل دیئے، اور جب

بندہ کی حاضری مدینہ طیبہ میں ہوئی تو فرمایا کہ ”میری کتابوں میں جو پسند ہو لے جا“ وہاں اس وقت اردو کتابیں تھیں، ایک کتاب ”اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان“ تھی، وہ ہم نے لے لی، حضرت نے اس کے بعد ایک کتاب ”بجوائی“ ابوہریرہؓ فی ضوء مروایاتہ، تالیف ضیاء الرحمن الاعظمی، اس میں حضرت ابوہریرہؓ کی دوسروائیتیں جمع کر کے اس کے طرق وغیرہ پر کلام کیا گیا ہے اور مستشرقین نے جو حضرت ابوہریرہؓ کی کثرت روایت پر شکوک و شبہات کئے ہیں ان کی تردید کی ہے، اور تصوف سے متعلق حضرت کی جتنی تالیفات ہیں، یا صوفی اقبال صاحب نے لکھی ہیں، تقریباً سبھی عطا فرمائیں، اور بعض تو بار بار بجوائی۔

ذکر کی تجویز میں توارد:

حضرت نور اللہ مرقدہ سے بیعت تو ہو گیا، لیکن ذکر پوچھنے کی ہمت ہی نہ ہوتی، اپنے امراض کی وجہ سے یہ سمجھتا رہا کہ میرے بس سے باہر ہے اور نہ حضرت نے بیعت کے وقت کچھ فرمایا، ایک مرتبہ رمضان میں از خود اپنے لئے ایک نصاب مقرر کر لیا، یعنی تین تسبیح لا الہ الا اللہ کی اور پانچ تسبیحات اللہ اللہ کی، اس کے بعد جب چند روز بعد غالباً عشاء کے بعد حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا: ”ذکر کر لیا کرو“ اور مذکورہ بالا نصاب بتایا، بس میں تو سمجھتا ہوں کہ اعتکاف میں حضرت کے ساتھ تھا، حضرت کے مبارک قلب کا اثر پڑا، جو خود ایک نصاب مقرر کر لیا اور حضرت نور اللہ مرقدہ نے وہی بتلایا، پھر معلوم ہوا کہ حضرت مشغول حضرات کو یہی نصاب بتاتے تھے۔

معمولات میں اضافہ:

کچھ دنوں کے بعد حضرت کے بعض ارشادات کی بناء پر تھوڑا تھوڑا اسم ذات کا اضافہ شروع کیا، اور سترہ سو تک پہنچا دیا، لیکن حضرت نے کم کرنے کو فرمایا، اور فرمایا: اسم ذات ایک ہزار رکھو، یہی اب تک معمول ہے، پاس انفاس کا حکم بار بار دیا اور مراقبہ دعائیہ بھی بتایا، بس جیسے ہم ہیں ویسا ہی ہمارا ذکر، حضرت کے زمانہ میں اور اب بھی نفی و اثبات و اسم ذات کا تو معمول ہے، الا یہ کہ مرض یا کوئی شدید مانع ہو باقی اور چیزیں کبھی ہو گئیں کبھی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا، جبکہ میں بہت بیمار ہو گیا تھا کہ: ”دل سے ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہے“ یہ بھی لکھ دوں کہ زیادہ مجاہدہ میرے بس کا نہیں تھا، اور نہ ہے، ایک مرتبہ رمضان شریف میں حضرت سے عرض کیا کہ: ”حضرت! یہ رات بھر کی بیداری میرے بس کی نہیں“ تو فرمایا: ”سب کو اس کی ضرورت نہیں“۔

ایک مرتبہ اعتکاف میں خواب دیکھا کہ حضرت لوگوں کو کچھ تقسیم فرما رہے ہیں، میں اگلے روز حاضر ہوا، خواب عرض کیا، اور عرض کیا: ”حضرت! اگر بیداری کرنے والوں کو ملے گا تو ہم محروم ہو جائیں گے“ حضرت نے فرمایا: ”نہیں انشاء اللہ“، ایک مرتبہ اعتکاف میں بہت بیمار ہو گیا، اس زمانہ میں کچھ ذکر وغیرہ نہیں کرتا تھا، حضرت نے غالباً بھائی ابوالحسن صاحب یا کسی اور سے کہلوا دیا کہ: ”اگر اختیاری مجاہدہ نہیں کرتے تو اضطرابی کرایا جاتا ہے“ مگر ہم نے اپنی نالائقی سے کوئی اثر نہیں لیا۔

ناظم صاحب کی طرف سے خلافت:

حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب (سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم) نور اللہ مرقدہ نے بروز پنجشنبہ ۵/ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ میں ظہر کے بعد اجازت مرحمت فرمائی، جس کا از خود شہرہ ہو گیا، چونکہ احقر کا بیعت کا تعلق حضرت قطب العالم شیخ الحدیث کاندھلوی ثم المہاجر المدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا، اس لئے حضرت ناظم صاحب کی اجازت کے بعد بھی اپنے حضرت نور اللہ مرقدہ سے ہی تربیت کا تعلق رہا، اور بحمد اللہ بالکل کبھی اجازت کا کوئی خیال بھی نہیں آتا تھا، گواہل اللہ کے ارشاد کی دل میں قدر تھی اور ہے۔

حضرت کی طرف سے اجازت:

پھر جب حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ رمضان شریف کے لئے مدینہ منورہ سے سہارنپور تشریف لائے تو حسب معمول اعتکاف کیا، اور رمضان کے بعد شوال میں مجلس شریف میں حسب معمول حاضری ہوتی رہی، غالباً ۵/ ذی قعدہ تھی، بروز پنجشنبہ صبح کی مجلس ذکر میں حاضر ہوا تو حضرت نور اللہ مرقدہ نے ذکر سے فراغت کے بعد بلوایا، اور فرمایا کہ: ”تو جمعہ کے دن حاجی شاہ جاتا ہے؟“ (حاجی شاہ سہارنپور کا مشہور قبرستان ہے)، عرض کیا حضرت! مجھ کو سہری بہت لگتی ہے، حضرت نے فرمایا کہ: ”یہاں آ“ اور چارپائی پر بیٹھنے کے لئے فرمایا، اور فرمایا کہ: ”میرا ارادہ تین چار سال سے تجھے اجازت دینے کا ہے، لیکن تیرے اندر تکبر ہے“، میں خاموش رہا اور الحمد للہ حضرت کے کہنے پر طبیعت پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت والا کو حضرت ناظم صاحب کی اجازت کا علم ہو گیا ہوگا؟ فرمایا کہ، ”ہاں“ میں نے عرض کیا: حضرت میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ حضرت ناظم صاحب نے کیوں اجازت دی؟ حضرت نے اس پر کیا ارشاد فرمایا یا نہیں رہا، پھر فرمایا کہ: ”تجھے میری طرف سے اجازت ہے“۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے کچھ دن پیشتر ایک عجیب حالت طاری ہوئی تھی، جیسے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں اور نماز سے فراغت پر نقص ہی نقص نظر آتا تھا اور اسی وقت نماز کے بعد استغفار پڑھنے کی حقیقت سمجھ میں آئی، اور ایسا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی مجھے چارپائی کے سرہانے بیٹھنے کو کہتا تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے، اور ایک مرتبہ ایک جگہ لوگوں نے امامت کے لئے کہہ دیا تو آنسو آ گئے، لیکن نادانی سے ایک جملہ کہنے پر ساری حالت جاتی رہی، میں نے کہہ دیا کہ: جب آدمی ذکر پر مداومت کرتا ہے تو اس کو ہمہ وقت ایک معیت حاصل ہو جاتی ہے اور اپنی نااہلی کا ہر وقت استحضار ہو جاتا ہے، اس میں عجب نفس شامل تھا، بس ساری حالت کا فور ہو گئی۔

حضرت نے فرمایا: ”انشاء اللہ تعالیٰ پھر حاصل ہو جائے گی“، اب تک تو حاصل نہیں ہوئی، لیکن حضرت کی برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نا کارہ روسیہ پر نظر کرم فرماویں، اور دوام حضوری عطا فرمائیں، اس کے بعد حضرت کے یہاں کچھ مہمان آ گئے، حضرت نے فرمایا: ”ان کے ساتھ بیٹھ جا“، ناشتہ سے فراغت کے بعد واپس ہوئے تو مدرسہ قدیم کے دروازہ پر پہنچ کر ایسا معلوم ہوا جیسے سینے میں کوئی چیز داخل ہو گئی، اس کی تعبیر الفاظ میں نہیں ہو سکتی، اور دل میں ذکر کا ایک شدید شوق پیدا ہو گیا اس کے بعد۔

خواب میں حضرت مدنی کی زیارت

ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ حضرت معتکف میں ہیں اور حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ بھی تشریف فرما ہیں، حضرت مدنی کا مصلیٰ بچھا ہوا ہے، میں اس پر آکر کھڑا ہو گیا، حضرت سے اگلے سال عرض کیا: تو ایک مصلیٰ عنایت فرمایا۔ میں تو ہمیشہ سہارنپور ہی رہتا تھا، ہاں جب پاکستان حاضری ہوئی تو فرمایا: ”اپنی جگہ کام کرنا چاہئے تھا“۔

☆☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع:

- (۱) الیواقیت الغالیہ (اکثر حصہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے)
- (۲) خودنوشت۔ الیواقیت الغالیہ ہی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

حضرت شیخ کا استغنا

حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث آپ عرصہ دراز سے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں لوجہ اللہ درس دے رہے ہیں، کسی طرح کا کوئی مشاہرہ قبول نہیں فرماتے، یہاں تک کہ مدرسہ میں اپنی قیام گاہ میں استعمال ہونے والی بجلی کے مصارف بھی اپنے پاس سے ادا کرتے ہیں۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات رص: ۲۱۰ ج: ۱)

میرے مشفق شیخ

حضرت مولانا محمد یونس جوہپوری

بقلم: محمد سلمان گنگوہی

خادم تدریس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى! اما بعد!

مؤرخہ ۱۶ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ / ۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ کو صدیق محترم جناب مولانا محمد ساجد صاحب کھنناوری زید احترامہ نے کمرہ میں آکر اطلاع دی کہ آج حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس جانکاہ خبر سے ایک کمزور و ناتواں کو جتنا صدمہ اور غم ہوا، اس کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے جس پر کسی مشفق شیخ و استاذ روحانی کی عرصہ دراز تک شفقتیں پڑ چکی ہوں، اس سبب کار نے ۱۳۹۷ھ میں حضرت سے صحیحین اور موطا امام محمد مکمل پڑھی ہیں، دورانِ درس جو عنایتیں اور شفقتیں مہربانیاں اور الطاف کریمانہ وشفقانہ احقر کے ساتھ رہیں اور جو واقعات پورے سال احقر نے دیکھے اور سنے ان کو ضبط تحریر میں لانا محال و نہایت دشوار ہے بلکہ حضرت کے وصال پر وہ عنایتیں اور واقعات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احقر ان کو اپنی نظروں سے فی الحال دیکھ رہا ہے، یہ تحریر لکھنے کے وقت احقر سوچ میں پڑ گیا کہ کونسا واقعہ پہلے لکھوں اور کونسا بعد میں، بہر حال اللہ کا نام لیکر مضمون شروع کر دیا، واضح رہے کہ احقر کوئی مضمون نگار نہیں ہے بلکہ مولانا محمد

ساجد صاحب کھجناوری مدرس عربی جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے حکم پر یہ بے ربط تحریر یہ سوچ کر لکھ رہا ہوں کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو جب مصر کے بازار میں فروخت کیا جا رہا تھا تو لوگ چھکڑوں میں بھر بھر ہیرے و جواہرات لیجا رہے تھے، ایک بڑھیا سوت کی ایک انٹی لیکر جا رہی تھی کسی نے پوچھا کہاں جا رہی ہو؟ اس نے بتلایا یوسف کو خریدنے جا رہی ہوں، سائل نے کہا کہ کیا تو اس سوت کی انٹی سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید لے گی؟ وہاں تو نوٹوں کے نیز ہیرے و جواہرات کے ڈھیر کے ڈھیر لیکر لوگ جا رہے ہیں، تو اس بڑھیا نے جواب دیا کہ یہ مجھے معلوم ہے کہ میں خرید تو نہیں سکتی لیکن یہ سوچ کر جا رہی ہوں کہ کل قیامت میں اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے دریافت کر لیا کہ میرے پیارے اور لاڈلے یوسف کو خریدنے کے لئے مصر کے بازار میں کون کون آیا تھا تو اس فہرست میں میرا بھی نام آجائے گا، تو یہ سبہ کار بھی صرف اس لئے یہ چند سطریں لکھ رہا ہے کہ کل قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ ایک عاشق رسول، متبع سنت، فانی الحدیث، شیخ کامل، حاجی بدعت پر کس کس نے مضمون لکھا تھا تو اس ناکارہ آوارہ کا اس میں نام آجائے گا ان شاء اللہ۔

احب الصالحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

بہر حال احقر راقم السطور رسماً صرف ایک تعلیمی سال یعنی شوال ۱۳۹۶ھ سے شعبان ۱۳۹۷ھ تک حضرت کے درس میں شریک رہا اس کے بعد سے جب بھی احقر گنگوہ سے سہارنپور حاضر ہوتا تو حضرت کے کمرے پر حاضر ہوتا، اگر ملاقات کا وقت ہوا تو بصدا احترام و آداب حاضر خدمت ہو کر مصافحہ بھی کر لیتا نہیں تو سلام کر کے کچھ دیر مجلس

میں بیٹھا اور ناصحانہ کلمات سن کر واپس آ گیا، اگر خدام نے بتلایا کہ ملاقات کا وقت تو نہیں ہے لیکن آپ تنہا چلے جائیں ملاقات ہو جائے گی تب بھی یہ سبہ کار کمرہ کے اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں کرتا تھا، کیونکہ بے وقت ملاقات کر کے حضرت کو اذیت دینا احقر مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ایک بات یہ بھی عرض کر دوں کہ حضرت نے بارہا اپنے عنقوان شباب میں فرمایا کہ میں اسی کو ڈانٹتا ہوں جس سے مجھ کو محبت ہوتی ہے جس سے تعلق اور محبت نہیں ہوتی میں اس کو نہیں ڈانٹتا، اس کی جزئیات کے لئے مستقل ایک دفتر درکار ہے، بہر حال راقم السطور نے جب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور کمرہ کا انتخاب ہوا تو حضرت شیخ کا کمرہ دار قدیم میں کمرہ نمبر ۱۰۱۷ ہوا کرتا تھا اور اس ناکارہ کا کمرہ نمبر ۱۳ تھا، احقر نے وقت کو غنیمت سمجھ کر ارادہ کیا، برائے استفادہ حضرت کی خدمت میں حاضری کا اہتمام کیا جائے مگر چوں کہ ہفتہ کے درمیان احقر کو مطالعہ کی وجہ سے وقت نہیں ملتا تھا کہ احقر نے اپنا معمول یہ بنا رکھا تھا کہ بعد مغرب تا عشاء اور بعد عشاء دس بجے تک ہر حال میں حدیث کی کتابوں خصوصاً ابوداؤد شریف اور بخاری شریف کا مطالعہ کرنا ہی ہے اس لئے درمیان ہفتہ میں تو نہیں البتہ شب جمعہ میں تعطیل رہنے کی وجہ سے ان شاء اللہ پابندی سے حضرت کی خدمت میں جایا کروں گا، ایک مرتبہ گیا تو حضرت نے احقر کو ڈانٹا لیکن بعد میں آپ نے اجازت دیدی پھر تو ہر ہفتہ احقر حاضر خدمت ہونے لگا جس سے روز بروز حضرت کی مہربانیاں اس قدر بڑھیں کہ ان کو یاد کر کے یہ سبہ کار سوائے گریہ کے کوئی چارہ نہیں سمجھتا لیکن آہ! اب تو حاضری و دیدار سے بھی محرومی ہو گئی۔

حضرت مولانا محمد یونسؒ کے اندر اپنے اساتذہ اور شیوخ کا ادب اور احترام اور ان کے علوم پر اعتماد بے انتہا تھا، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ ثم المدنی کا جس وقت ہندوستان سے مدینہ پاک جانے کا نظام ہوتا تو حضرت کی طبیعت چونکہ خراب رہتی تھی اس لئے حاضر ہونے والے حضرات کو صرف زیارت ہوا کرتی تھی، اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ حضرت مولانا محمد زکریاؒ کچے گھر میں چار پائی پر لیٹے رہتے تھے جنوباً و شمالاً شمال کی طرف پیر ہوتے تھے اور جنوب کی طرف سر ہوتا تھا، اور بائیں کروٹ پر ایسے طور پر لیٹتے تھے کہ کچے گھر کا جو داخلی دروازہ ہے اس پر کھڑے ہو کر سامنے سے حضرت کا چہرہ صاف نظر آتا تھا اور زائرین کی لائن لگتی تھی جو دور تک لگی رہتی، ہر زیارت کرنے والا دروازہ پر کھڑا ہر زیارت کر کے واپس ہو جاتا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ اس دوران گرچہ جامعہ مظاہر علوم کے مدرس تھے لیکن زیارت کرنے کیلئے لائن میں لگ جاتے تھے اور اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو لائن سے نکل کر نماز کو چلے جاتے اور نماز سے فارغ ہو کر واپس آتے اور جہاں تک لائن پہنچی ہوتی تھی وہیں پر لائن میں لگ کر اپنے نمبر پر زیارت کر کے قیام گاہ پر واپس جاتے تھے۔

حضرت الاستاذ کی تواضع وغیرہ کے قصے بے انتہاء ہیں آگے ایک قصہ اور لکھتا ہوں (حضرت مولانا) یوسف بطارہ دارالعلوم ہولکھمب بری برطانیہ کا تحریر کردہ قصہ پیش خدمت ہے:

تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دسترخوان پر جمعہ کی نماز کے بعد حضرت یعنی

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مہاجر مدنیؒ نے مجھے یاد فرمایا، اتفاق سے میں نے نہ حضرت سے عرض کیا کہ مجھے جمعہ کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے یہاں سنن ابی داؤد کے سبق کے لئے پہنچنا ہے نہ اور کسی ساتھی سے میں نے عرض کیا۔ عصر کی نماز کے وقت جب میں پہونچا تو حضرت نے فرمایا ابے تو جمعہ کے بعد کہاں چلا گیا تھا؟ کھانے پر نہیں آیا، میں نے عرض کیا کہ ہمارا سنن ابوداؤد کا سبق تھا، جس طرح والدین کو اپنے بیٹے کے بارے میں فکر ہوتا ہے کہ میرے بیٹے نے آج کھانا کیوں نہیں کھایا۔

حضرت نے اسی وقت فرمایا کہ کاغذ قلم لو، حضرت نے ایک پرچہ پر لکھوایا کہ ”جب تمہیں معلوم تھا کہ میں نے صبح سے لے کر ساڑھے گیارہ بجے تک انہیں رگڑا ہے (یعنی بخاری شریف کا سبق پڑھایا ہے) پھر تم جمعہ کی نماز کے بعد ان کو لے کر بیٹھ گئے؟“

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے وہ پرچہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کو بھجوایا، غالباً میرے ذریعہ ہی بھیجا، حضرت کی یہ خفگی کے کلمات پڑھ کر فوراً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”مجھ سے غلطی ہوگئی توبہ کرتا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا“۔

یہ کلمات حضرت شیخ قدس سرہ کو اس قدر پسند آئے کہ حضرت نے یہ مختصر جواب پڑھتے ہی گرامی نامہ تحریر فرمایا جو کہ عظیم پیشگوئی پر مشتمل ہے، یعنی تم سینتالیس سال سے زیادہ بخاری شریف پڑھاؤ گے جس کا بعینہ پورا متن مولانا محمد ساجد صاحب کھجناوری

کے مضمون میں حرف بحرف موجود ہے، نیز موثق ذرائع سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب جب کچے گھر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تو بعض مرتبہ دیر تک مجلس میں بیٹھنا ہوتا تھا لیکن کبھی بھی قضائے حاجت کے لئے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کے بیت الخلاء میں ادباً نہیں جاتے تھے، اگر کسی کو محسوس ہو جاتا کہ تقاضہ ہے اور عرض بھی کرتا کہ یہاں فارغ ہو جائیں تب بھی انکار فرما دیتے کہ یہاں نہیں میں دوسری جگہ فارغ ہوں گا۔

موثق ذرائع سے یہ بات پہونچی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی محدث کبیر کو ابتداء میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث پہچانتے نہیں تھے، ایک مرتبہ وہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کا ندھلوی کے یہاں کچے گھر میں تشریف لائے ہوئے تھے کھانا بھی حضرت شیخ ہی کے یہاں کچے گھر میں تھا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمہ بغیر سہارے کے خود چلتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی حضرت مولانا محمد یونس صاحب مرحوم علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، چونکہ محدث اعظمی صاحب بہت سادے لباس میں رہتے تھے ملاقات کے وقت حضرت مولانا محمد یونس صاحب دار قدیم کے کمرہ نمبر ۱۰ میں اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے محدث کبیر صاحب چارپائی سے نیچے بیٹھ کر ہی علمی سوالات کرتے رہے حضرت مولانا مرحوم جواب دیتے رہے اسی میں کچھ دیر ہو گئی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے کئی مرتبہ بلانے کے لئے آدمی بھیجا محدث کبیر صاحب نے جواب دیا کہ حضرت شیخ سے

کہہ دینا کہ میں ابھی آ رہا ہوں اور پھر جو گفتگو ہو جاتے، کچھ دیر گزرنے کے بعد حضرت شیخ خود ہی تشریف لے آئے اور یہ دیکھ کر کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب چارپائی پر ہیں اور محدث کبیر نیچے بیٹھے ہوئے ہیں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا مولانا یونس صاحب تم جانتے نہیں یہ کون ہیں؟ یہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی ہیں اتنا سنتے ہی حضرت مولانا محمد یونس صاحب نے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب سے معافہ کیا اور کہا کہ میں نے پہچانا نہیں تھا اس کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے فرمایا کہ اگر حضرت مولانا زکریا صاحب تھوڑی دیر اور نہ آتے تو میرے تمام مسائل حل ہو جاتے۔

آپ کے باختصاص شاگرد اور جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے شیخ الحدیث استاذی حضرت مولانا وسیم احمد سنسار پوری دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مقیم پاکستان علیہ الرحمہ جو کہ بہت جید عالم و شیخ زماں تھے انہوں نے اپنی کتاب ”کشف الباری“ شرح بخاری میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی بخاری شریف کی کاپی سے استفادہ کیا ہے، اس کاپی میں اکثر جگہ پر تو مضامین کے حوالے بھی درج تھے اگر کسی جگہ کسی مضمون کا حوالہ درج نہ ہوتا تو صرف یہ کہہ کر مضمون نقل کر دیتے کہ حضرت مولانا محمد یونس کا نقل کرنا کافی ہے حوالہ کی ضرورت نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت نے بخاری شریف کے سبق کے درمیان میں فرمایا بچو! آج کے درس کی ایک حدیث کی سند میں مجھے چار نام تلاش کرنے تھے اس میں میرے دو گھنٹہ لگے ہیں اور میں نے آدھے منٹ میں تمہارے سامنے ان کو بیان کر دیا،

تمہیں پتہ بھی نہ چلا، نیز ایک مرتبہ فرمایا کہ بچو تم لوگ میرے سبق میں صحاح ستہ لیکر بیٹھا کرو کیونکہ ہمارے اساتذہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اگر حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ دیا کرتے تھے تو اس کتاب کو کھول کر بھی دکھایا کرتے تھے میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جس کتاب کی حدیث کا حوالہ دوں اس کتاب کو کھول کر دکھاؤں، الحمد للہ ہمارے اساتذہ نے سبق میں جہاں جہاں کتاب کھول کر دکھائی وہ مقامات مجھے اب تک یاد ہیں، نیز ایک مرتبہ سبق میں ارشاد فرمایا الحمد للہ میرے ہر کتاب میں اعلیٰ نمبر آتے تھے میں نے جب صحاح ستہ کا امتحان دیا اور اس میں میرے اعلیٰ نمبر آئے تو مظاہر علوم کا چونکہ ضابطہ رہا ہے کہ جس کتاب میں کسی کے اعلیٰ نمبر آتے ہیں تو انعام میں وہی کتاب اس کو ملتی ہے تو الحمد للہ مجھے بھی صحاح ستہ انعام میں ملی تھیں جس وقت میں انعام لینے کے لئے گیا تو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث علیہ الرحمہ وہاں پر تشریف فرما تھے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ الہدایا مشترکہ میں اپنی کتابیں لیکر چل دیا اور میں نے چلتے ہوئے کہا کہ یہ حدیث تو ضعیف ہے۔ یہ ناکارہ آوارہ ایک مرتبہ رات میں ایک بجے کے بعد کسی کام کے لئے جب مسجد کلثومیہ میں گیا تو حضرت مولانا محمد یونس صاحب کو دیکھا کہ سجدے میں ہیں اور بلبا کر رہے ہیں اللہم ارزقنا اتباعہ۔

حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کا معمول درس بخاری شریف میں تھا کہ جمعہ کے روز بخاری شریف کا درس پڑھاتے تھے اس میں کبھی ۳۵ صفحات بخاری شریف کے پڑھاتے تھے کبھی اس سے زائد، صلوٰۃ فجر کے کچھ دیر بعد ہی بیٹھ جاتے اور گیارہ بجے تک تقریباً درس پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ دورانِ درس

ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ تمہیں پڑھانے کے واسطے میرا مطالعہ ہر وقت رہتا ہے، میں جو رات میں یاد میں مطالعہ کرتا ہوں وہ میں اپنے لئے کرتا ہوں۔ نیز درس میں اگر کسی طالب علم کو دیکھ لیتے تھے کہ کتاب پر بجائے انگلی کے قلم سے اشارہ کر رہا ہے جیسا کہ بعض طلبہ کی عامۃً عادت ہوتی ہے کہ تو اس پر انتہائی برہم ہوتے تھے اور سختی سے اس کو منع فرماتے تھے، اسی طرح اگر کوئی طالب علم گرمی کے زمانہ میں اس کا پی کو جس پر درسی تقریر لکھتا تھا اس کو دستی پچھنے کی جگہ استعمال کر لیتا تو اس کی بھی خیر نہیں تھی اس کی بھی زبانی طور پر خوب خبر لیتے تھے، نیز بعض طلبہ عبارت پڑھنے والے اگلی صف میں بیٹھ کر عبارت پڑھنے میں آواز حد سے زیادہ بلند کرتے تھے اس کو فرماتے کہ تو مجھ سے لڑ رہا ہے؟ کیونکہ حضرت کو عبارت پڑھنے میں متوسط انداز میں عبارت پڑھنا پسند تھی بلکہ اگر قاری عبارت میں اعرابی بار بار غلطی کرتا تھا تو عبارت پڑھنے سے منع فرما کر دوسرے طالب علم کو عبارت پڑھنے کے لئے فرماتے تھے، نیز بعض طلبہ کی عادت ہوتی ہے کہ وہ مسلسل استاذ صاحب کو دیکھتے رہتے ہیں، اگر کوئی ایسی حرکت کرتا تو اس کو فرماتے کہ تو مجھ کو مسلسل دیکھ رہا ہے ایسا مت کرو اس سے مجھے پریشانی ہوتی ہے، غرض کہ طلبہ کی ہر نقل و حرکت پر پوری توجہ پورے سبق میں رکھتے تھے اور مناسب گرفت فرماتے تھے، شام کے آخری گھنٹہ میں سبق پڑھاتے وقت درس کے آخر میں دارالحدیث میں لگے ہوئے دیواری گھنٹہ پر نظر رکھتے تھے اور صلوٰۃ عصر سے تین یا چار منٹ قبل سبق چھوڑتے تھے اور فوراً مسجد کلثومیہ پہنچ جاتے تھے (کیونکہ ۱۳۹ھ میں حضرت کا درس حدیث دارالقدیم کی فوقانی دارالحدیث میں ہوا کرتا تھا) تاہم مسجد پہنچتے ہی اگر دیکھتے کہ ابھی جماعت

میں دو منٹ باقی ہیں تو فوراً مختصر قرأت کے ساتھ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لیتے تھے اور یہ طرز حضرت کو اپنے اساتذہ کی جانب سے ملتا تھا اس لئے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب علیہ الرحمہ کے استاذ محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور خلیفہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ اپنی مجلس میں فرماتے تھے کہ بچو اپنے وقت کی قدر کرو اگر مسجد میں جماعت سے دو منٹ قبل تم لوگ پہونچو اور نوافل کا وقت ہو تو دو رکعت مختصر تحیۃ المسجد پڑھ لو، نیز مدرسہ میں اگر کوئی کام مسلسل خلاف سنت چند مرتبہ دیکھ لیا تو نماز کے بعد طلبہ کو روک کر اس پر تنبیہ فرماتے، چنانچہ ۱۳۹۷ھ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کئی نمازوں میں مسلسل اذان تو مسجد کے مؤذن ہاشم بھائی پڑھ رہے تھے، لیکن اقامت کوئی طالب علم پڑھ دیتا تھا تو حضرت نے طلبہ کو نماز کے بعد رکنے کے لئے ارشاد فرمایا اور عجیب انداز میں غصہ کی حالت میں فرمایا کہ ہمارے یہاں مسجد میں مسلسل خلاف سنت کام ہو رہا ہے، دراصل حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب معذوری کی وجہ سے کمرہ میں نماز پڑھ رہے ہیں پہلے جب حضرت نماز کے لئے مسجد تشریف لاتے تھے تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ مؤذن کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اقامت کہدے، کیونکہ سنت یہی ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت کہے، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: من اذن فهو یقیم رواہ ابو داؤد یعنی جو اذان کہے وہی تکبیر کہے گرچہ کسی عارض کی وجہ سے بعض مرتبہ حضرت بلالؓ نے اذان دی اور عبد اللہ بن زید بن عبد ربہؓ سے آپ نے تکبیر کہلوائی، لیکن اصل سنت وہی ہے جو پہلے عرض کیا اور میں (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب) دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کئی نمازوں سے

مسلسل خلاف سنت کام ہو رہا ہے کہ اذان کوئی پڑھتا ہے اور اقامت اس کے علاوہ دوسرا کہتا ہے، اس کا آئندہ خیال رکھا جائے، درس میں جو طلبہ پابندی کرتے تھے غیر حاضری نہیں کرتے تھے ان کی طرف حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی خاص توجہ رہتی تھی اس کے بھی بہت سے جزئیات احقر کے ذہن میں ہیں، مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کرتا ہوں کہ ایک طالب علم درس میں حاضر باش حضرت کی تقریر لکھنے والا ایک مرتبہ بیمار ہو گیا تو حضرت اس کی عیادت کے لئے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک مرتبہ بیمار ہو گیا تھا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ میری عیادت کے لئے کمرہ میں تشریف لائے تھے۔

حضرت شیخ کو تین اعمال پر بہت پابندی سے کار بند پایا

(۱) احقر نے مستقل دیکھا کہ باوجود اسباق و مطالعہ کی انتہائی مشغولی کے صلوٰۃ فجر سے پہلے اپنے کمرہ میں ذکر بالجہر کیا کرتے تھے (۲) بعد ظہر مسجد سے کمرہ میں تشریف لا کر تلاوت قرآن پاک کیا کرتے تھے (۳) بعد صلوٰۃ عصر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اگر حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب کا قیام سہارنپور ہی ہوتا تو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کی مجلس میں حاضر ہوتے، ایک مرتبہ بخاری شریف کے سبق میں ارشاد فرمایا کہ جب میں ہدایہ ثالث پڑھاتا تھا تو ایک سبق کا میں نے کئی مرتبہ مطالعہ کیا لیکن سبق میری سمجھ میں نہیں آیا میں نے ارادہ کر لیا کہ طلبہ سے کہدو گا کہ سبق میری سمجھ میں نہیں آیا بعد میں مطالعہ کر کے سمجھا دوں گا، لیکن جب طلبہ نے عبارت پڑھی تو فوراً پورا سبق سمجھ میں آ گیا اور

الحمد للہ میں نے سبق پڑھا دیا۔

ایک مرتبہ حضرت فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ کے پاس شہر کانپور کے قاضی اور مدرسہ جامع العلوم پکا پور کانپور کے صدر مفتی ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی منظور احمد صاحب کانپوری کی جانب سے ایک استفتاء آیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی صاحبزادی کے نکاح کے موقع پر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دعوت کی یا نہیں؟ اس وقت حضرت فقیہ الامت کا مستقل قیام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تھا اس استفتاء کو لیکر حضرت فقیہ الامت جامعہ ہذا کے کتب خانہ میں تشریف لے گئے یہ سبہ کار ساتھ تھا، حضرت فقیہ الامت نے جامعہ کے ناظم کتب خانہ سے مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ نکلوائیں اور اس میں حضرت فاطمہؓ کے نکاح سے متعلق روایت احقر سے نقل کروائی کہ اس موقع پر صحابہ جوق در جوق تشریف لا رہے تھے اور کھانا کھا کر جا رہے تھے جس سے ثابت ہوا کہ لڑکی کی شادی و نکاح کے موقع پر لڑکی کے والد کو احباب کی دعوت کرنے کا حق ہے، یہ جواب حضرت نے لکھوا کر حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب کانپوری کے پاس بھیج دیا تھا، لیکن بعد میں احقر کو معلوم ہوا کہ حضرت فقیہ الامت نے اس سے رجوع فرمالیا اور وہ رجوع نامہ گورینی جو پور سے شائع ہونے والے رسالہ ریاض الجنہ میں چھپا ہوا ہے، احقر نے جب اس کی تحقیق ان حضرات مفتیان کرام سے کی جو حضرت فقیہ الامت کے پاس پابندی کے ساتھ ہر ہفتہ حاضر ہوتے تھے کہ اس فتوے سے رجوع حضرت فقیہ الامت نے کیوں کیا؟ تو معلوم ہوا کہ اس فتوے کا علم جب

حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث کو ہوا تو حضرت فقیہ الامت سے عرض کیا کہ حضرت آپ اس فتوے سے رجوع فرمائیں اس لئے کہ آپ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی متہم ہے اور اس پر حضرات محدثین نے سخت کلام کیا ہے، حضرت کے فرمانے سے حضرت فقیہ الامت نے اس سے رجوع فرمالیا اور اس کا اعلان متعدد رسالوں میں شائع کیا ان رسالوں میں ایک رسالہ ریاض الجنہ ہے، حضرت فقیہ الامت کے پاس رمضان وغیر رمضان میں حضرت شیخ الحدیث صاحب وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت فقیہ الامت سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب آپ ہمارے لئے بھی دعا کرتے ہیں یا نہیں؟ حضرت نے معاف فرمایا کہ میں آپ کیلئے بین الخطبتین دعا کرتا ہوں، اسی طرح ماہ مبارک میں ایک مرتبہ جب معتکفین کو دیکھا کہ علماء کا مجمع ہے جورات بھر شب بیداری کر رہا ہے اور تلاوت نوافل و اوراد میں مشغول ہیں تو حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کے یہاں ماشاء اللہ مکھن ہی مکھن جمع ہے۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب علیہ الرحمہ نے مولانا مسعود صاحب بن مولانا عبدالرشید صاحب زید مجدہم سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ تم میری طرف سے اخبار میں ایک مضمون شائع کرادو کہ میری (یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمہ) کی طرف سے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیں، ایک مرتبہ راقم الحروف کو حضرت والا نے ایک سوروپے عنایت فرمائے کہ میری جانب سے ان کو صدقہ کر دینا احقر نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کی طرف

سے انشاء اللہ صدقہ کر دوں گا یہ آپ ہی رکھ لیں ارشاد فرمایا کہ تم کو کرنا ہو کر دینا لیکن ان کو بھی رکھ لو۔ حضرت کے بعض خدام نے بتلایا کہ بعض مرتبہ بعض بڑی کتابیں حضرت نے ہم کو ہدیہ کیں، ایک مرتبہ حضرت انگلینڈ کا ویزہ لینے کیلئے تشریف لے گئے لائن میں لگے ہوئے تھے تو آفیسر حضرت کے پاس کرسی لیکر حاضر ہوا کہ آپ اس پر تشریف رکھیں حضرت اس پر بیٹھے، پھر حضرت سے اس آفیسر نے سوال کیا کہ آپ کو انگلینڈ کتنے دن رکنا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ تین دن اس کے بعد اس نے معلوم کیا کہ آپ کا خرچ کون برداشت کرے گا ارشاد فرمایا کہ جو بلا رہا ہے وہ برداشت کرے گا اس کے بعد ایک دو سوال اور کئے اور پاسپورٹ لیکر ویزہ لگا کر دیدیا۔

ایک مرتبہ احقر سفر حج پر جانے والا تھا تو احقر حضرت کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت حج کا ارادہ ہے کچھ نصیحت فرما دیجئے، ارشاد فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تجھ سے معافہ کروں لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں اس لئے نہیں کرتا اس کے بعد اسی سال حضرت سے باب الفتح کے سامنے جب حرم شریف کے قریب ملاقات ہوئی تو حضرت نے سب سے پہلے معافہ فرمایا فللہ الحمد، بہر حال احقر کی درخواست پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سلمان تو حج کے لئے جا رہا ہے وہاں پر کسی پر اعتراض نہ کرنا، بعض لوگ ڈاڈھی منڈوں پر اعتراض کرتے ہیں میں نے بعض ڈاڈھی منڈوں کو روضۃ من ریاض الجنۃ میں دعا کرتے وقت اس طرح روتے اور گڑ گڑاتے دیکھا ہے کہ مجھے ان پر رشک آ رہا تھا۔

جس وقت جامعہ مظاہر علوم میں اختلاف ہوا تو حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمہ

سے معلوم کیا گیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کبھی ماہر ڈرائیوروں سے ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے، بس یہ وہی ہے، حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب سے معلوم کیا گیا کہ مظاہر علوم میں اختلاف ہو رہا ہے آپ کس طرف ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ خدا نخواستہ اگر کسی کے ماں باپ میں اختلاف ہو جائے اور کوئی معلوم کرے کہ تم کس طرف ہو تو وہ کیا کہے گا ظاہر ہے کہ وہ یہی جواب دیگا کہ ایک طرف میرے والد محترم ہیں دوسری طرف والدہ صاحبہ ہیں میں تو دونوں ہی کی طرف ہوں، بہر حال اس موقع پر حضرت کا طرز کیا تھا؟ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ احقر جب ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ سلمان تو یہاں میرے پاس ملاقات کے لئے آتا ہے لیکن حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کے پاس جانا نہ چھوڑنا ان کے مجھ پر بہت احسانات ہیں، فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سخت بیمار تھا دوائی کے پیسے بھی میرے پاس نہیں تھے حضرت مفتی مظفر حسین صاحب عیادت کے لئے تشریف لائے اور مجھ کو چودہ روپے عنایت فرمائے مجھے حضرت کی اس عنایت پر رونا آ گیا کیونکہ اس وقت چودہ روپے بہت اہمیت رکھتے تھے، اس پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت! میرا طریقہ تو یہ ہے کہ جب بھی میرا سہار نیور آنا ہوتا ہے تو دونوں طرف کے اساتذہ کرام سے ملاقات کی کوشش کرتا ہوں اور حتی المقدور ملاقات کے بعد ہی واپس گنگوہ جاتا ہوں۔

ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ اعتراض ہو کہ مضمون کے ابتداء میں تو کہا تھا کہ حضرت والا کی عنایتیں و مہربانیاں والطف کریمانہ احقر کے ساتھ دوران درس بے انتہا رہیں، لیکن اب تک پورے مضمون میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں آیا، اس لئے ان میں سے بعض

باتیں اس مجبوری کے تحت لکھنا ضروری سمجھتا ہوں، ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ جو احقر کا دورہ حدیث شریف کا سال ہے بفضلہ تعالیٰ و بتوفیقہ یہ سیہ کار پابندی سے درس میں شریک رہا الا ان یمنع مانع، مذکورہ بالا تاریخ میں جب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں عید الاضحیٰ کی تعطیل ہوئی اور اس کا اعلان بھی ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم کی جانب سے آگیا تو احقر نے تعطیل اپنے وطن گنگوہہ گزارنے کے واسطے جانے کا ارادہ کیا تو بعد عصر حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تا کہ حضرت سے رخصتی مصافحہ کروں اور دعائیں لیکر گھر جاؤں جوں ہی احقر نے عرض کیا تو حضرت نے معاً ارشاد فرمایا کہ تو گھر جا رہا ہے اگر میں سبق پڑھاؤں تو کیا ہوگا؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت میں رک جاؤں گا اور سبق پڑھ کر جاؤں گا، حضرت کچھ دیر خاموش رہے، احقر نے کچھ توقف کے بعد معلوم کیا کہ حضرت! کیا آپ سبق پڑھائیں گے؟ حضرت نے فرمایا نہیں تم اطمینان سے گھر جاؤ اس کے بعد احقر گنگوہہ آیا۔

درمیان سال آم کے موسم میں حضرت بعد عشاء کمرہ میں آم کٹوایا کرتے تھے اور چیچ کے ذریعہ کمرہ میں حاضر باش طلبہ کو اپنے دست مبارک سے کھلاتے تھے، احقر کو بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد بار یہ شرف بخشا کہ حضرت کے دست مبارک سے کٹے ہوئے آم کھائے، بعض مرتبہ اسی درمیان میں طلبہ سے مذاق بھی فرماتے تھے، مثلاً دیکھو بھائی اس نے کتنا بڑا منہ کھولا ہے، چونکہ احقر کا کمرہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے کمرہ کے متصل تھا ایک روز رات میں ڈیڑھ بجے کے قریب حضرت کمرہ سے نکلے اور ارشاد فرمایا کہ ارے یہاں قریب میں کوئی طالب علم ہے؟ احقر کی آنکھ کھل گئی، احقر دوڑ کر

حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ میرے پیروں میں جلن ہو رہی ہے کمرہ میں فلاں جگہ شیشی میں تیل رکھا ہوا ہے اس کو اٹھا، احقر نے اس کو اٹھایا حضرت نے فرمایا کہ میرے پیروں پر اس کو لگا، چنانچہ احقر نے پیروں پر لگایا اس کے کچھ دیر بعد پھر کمرہ کے سامنے چھوٹی مشین کا ٹل لگا ہوا تھا اس کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ٹل چلا میں نے ٹل چلایا اور حضرت کچھ دیر پیر دھوتے رہے، اس کے بعد حضرت آرام گاہ پر لیٹ گئے، احقر سے فرمایا کہ بس تو جا کر لیٹ جا۔

کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنا ایک آدھ کپڑا بھی دھونے کے لئے احقر کو دیدیتے تھے، احقر اس کو دھو کر سکھا کر پیش کر دیتا، کیونکہ اصل کپڑے تو حضرت والا کے دھوبی کے یہاں دھلتے تھے، احقر اپنے کمرہ کے سامنے دار قدیم کے صحن میں رات کو سویا کرتا تھا ایک مرتبہ احقر کو سخت بخار سردی سے آیا اور بعد ظہر حضرت کے گھنٹہ میں چادر اوڑھ کر حاضر ہوا لیکن اوپر پچھلے چل رہے تھے اس لئے بیٹھنے کا تحمل نہ ہوا درمیان درس ہی پرچی لکھ کر چھٹی کے لئے حضرت کو دی کہ بیٹھنا دشوار ہو رہا ہے، اس لئے رخصت عنایت فرمادیں، حضرت نے احقر کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ یہ رات کے وقت باہر صحن میں لیٹنے کا نتیجہ ہے۔

امتحان میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا ضابطہ تھا کہ تین سوالات کئے جاتے تھے اور تینوں مطلوب ہوتے تھے، سبق تو مسلم شریف کا حضرت کے پاس ہوتا تھا لیکن سالانہ امتحان معلوم نہیں کن حضرت کے پاس تھا، احقر ہر امتحان میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی دارالحدیث میں بیٹھتا تھا اور حضرت شیخ کی ڈیوٹی بھی دارالحدیث میں ہوتی

تھی، یعنی حضرت امتحان گاہ میں نگراں رہتے تھے، تو آخری پرچہ امتحان کے موقع پر یعنی مسلم شریف کے پرچہ میں تین سوالات آئے احقر نے دو سوال کا جواب تو لکھ دیا لیکن تیسرے سوال کے بارے میں جواب احقر کے ذہن میں نہیں آیا، احقر قلم بند کر کے بیٹھ کر سوچنے لگا حضرت شیخ کو محسوس ہوا تو نگراں کرتے ہوئے احقر کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے، اسی دوران کوئی طالب علم حضرت سے کچھ بات کرنے کیلئے آیا، حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ طالب علم نے کیا سوال کیا اور حضرت نے کیا جواب دیا لیکن حضرت کی توجہ و برکت سے بفضلہ تعالیٰ ذہن میں انشراح پیدا ہو گیا اور اس ناکارہ آوارہ نے مجھہ تعالیٰ تیسرے سوال کا جواب بھی مکمل لکھ دیا، درمیان سال میں حضرت کے کمرہ کی صفائی ہوتی تھی اور سب کتابوں کو باہر نکال کر صاف کیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کا کرم و احسان ہے کہ دیگر طلبہ کے ساتھ احقر کو بھی اللہ پاک نے اس خدمت کا موقع عطا فرمایا، سالانہ امتحان سے فارغ ہو کر احقر اپنے تمام اساتذہ کرام سے ملاقات کرنے کے لئے گیا حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور جن سے ترمذی شریف اور شمائل مکمل پڑھی، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین جامعہ ہذا جن سے ابوداؤد شریف مکمل پڑھنے کا شرف ہوا، حضرت مفتی محمد تبحی صاحب جن سے طحاوی شریف پڑھی اور حضرت مفتی عبدالعزیز صاحب راپوری جن سے نسائی شریف وابن ماجہ شریف اور مؤطا امام لک پڑھی۔

سند الحدیث للشیخ یونس الجونفوری (سند البخاری)

قال حدثنا الشيخ زكريا الكاندهلوى ثم المهاجر المدني قال

حدثنا ابي الشيخ يحيى الكاندهلوى قال حدثنا ارشد العلماء الشيخ رشيد احمد الكنگوهي قال حدثنا الشيخ الشاه عبدالغنى قال حدثنا الشيخ الشاه ابو سعيد والشاه اسحق المحدث الدهلوى وقال الشيخ زكريا الكاندهلوى ايضاً حدثنا الشيخ خليل احمد المحدث سهارنفورى قال حدثنا الشيخ مظهر على النانوتوى قال حدثنا الشيخ مملوك العلى قال حدثنا الشيخ رشيد الدين خان (قالوا اى الشيخ الشاه ابو سعيد والشاه اسحق والشيخ رشيد الدين) حدثنا الشيخ الشاه عبدالعزيز ثنا الشيخ مسند الهند محمد احمد ابن عبدالرحيم الفلتى ثم الدهلوى حدثنا الشيخ ابو طاهر محمد بن ابراهيم الكردى حدثنا ابي الشيخ ابراهيم الكردى حدثنا الشيخ احمد القشاشى حدثنا الشيخ ابو المواهب احمد بن عبدالقدوس الشناوى حدثنا شمس الدين محمد بن احمد ابن محمد الرملی حدثنا شيخ الاسلام يحيى احمد زكريا بن على بن حجر الكتانى العسقلانى حدثنا الشيخ زين الدين ابراهيم بن احمد الشوفى حدثنا ابو العباس احمد بن ابي طالب الحجار حدثنا سراج الدين حسين بن المبارك الحنبلى الزبيدى اليمنى حدثنا ابو الوقت عبدالاول بن عيسى بن شعيب السجزي الهروى حدثنا ابو الحسن عبدالرحمن بن مظفر بن محمد داؤد الداؤدى حدثنا ابو محمد عبدالله ابن احمد السرخسى حدثنا ابو عبدالله محمد بن

یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری حدثنا ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن برذبة الجعفی الیمانی البخاری رحمہم اللہ الباری۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے پاس جب کوئی طالب علم ملاقات کیلئے جاتا تو آپ دریافت فرماتے کہ تم حافظ ہو یا نہیں اگر وہ طالب علم عرض کرتا کہ الحمد للہ میں حافظ ہوں تو ارشاد فرماتے کہ یومیہ ایک پارہ سنن و نوافل میں پڑھا کر اور مجھے دعا میں یاد رکھنا، اور اگر وہ غیر حافظ ہوتا تو یومیہ ایک پارہ کی تلاوت کرنے کیلئے فرماتے، بفضلہ تعالیٰ راقم الحروف کا حضرت کی نصیحت کی وجہ اس پر عمل ہے، اللہم تقبل منا وعن سائر المسلمین وارزقنا اتباع الشیخ آمین یارب العلمین۔

قرآن کریم سے والہانہ تعلق

مؤثق ذرائع سے معلوم ہوا کہ سعودی عرب کی مشہور کمپنی کی جانب سے ایک خطیر رقم (بڑی مقدار) ہدیہ میں خادم کی معرفت آپ کو دی گئی، حضرت نے اولاً اس کو واپس کرنے کا حکم فرمایا، لیکن جب خادم نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو دیکر چلے گئے تو ارشاد فرمایا کہ اس کو مسجد نبوی ﷺ میں جو تحفہ قرآن کے معلمین ہیں ان میں تقسیم کر دو۔

حضرت العلامة شیخ محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عہد رواں کے امام شعبہؒ

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی

محدث و مدیر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے: لا اعلم علماً افضل من الحديث لمن اراد به وجه الله تعالى، کہ میری معلومات میں علم حدیث سے افضل دوسرا کوئی علم نہیں ہے اس شخص کے لئے جو اس کے ذریعہ سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہو، حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا: لو لا السنة ما فهم احد منا القرآن الكريم، یعنی اگر سنت کا علم نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی آدمی علم قرآن کو سمجھ نہ پاتا، بعض علماء نے فرمایا: جميع ما قالته الائمة فى شرح السنة شرح للقرآن الكريم، یعنی جو کچھ ائمہ فقہ رحمہم اللہ نے فرمایا وہ سنت کی شرح ہے اور جو کچھ سنت میں ہے وہ شرح ہے کتاب اللہ کی، ایک صحابی نے ایک شخص کو فرمایا کہ تو بہت احمق آدمی ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن پاک کو بغیر حدیث کے سمجھ لیتا ہے، کیا ایسا ممکن ہے؟ نمازوں کی تفصیلات، حج کی تفصیلات، صیام کی تفصیلات، زکوٰۃ کی تفصیلات بغیر حدیث کے کوئی سمجھ سکتا ہے؟ حضرت امام نوویؒ نے فرمایا: جو ایک بہت بڑے عالم ہیں، اپنے دور کے شیخ الاسلام ہیں اور بقول علامہ ابن کثیرؒ کبیر الفقہاء اور شیخ المذہب ہیں، امام شافعیؒ کے مسلک کے بہت بڑے ترجمان اور شارح ہیں، جن کا اسم گرامی یحییٰ بن شرف ہے، کنیت ابو زکریا ہے،

یعنی شارح مسلم امام نووی المولود ۶۳۱ھ فی قریة نوی من قری الشام من اعمال دمشق ۴۵ سال عمر ہوئی ۶۷۶ھ میں وصال ہوا، آپ صائم الدہر، قائم اللیل تھے، کان یا کل الطعام مرة واحدة بعد العشاء ویشرب صباحاً مبکراً فقط، عبادت، ریاضت، تصنیف و تالیف، افتاء و تدریس، خلوص و للہیت میں آپ مثالی شخص تھے اور بقول علامہ شمس الدین محمد الذہبی آپ میں تین کمال بیک وقت موجود تھے، اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں ہو تو اس کے پاس سفر کر کے لوگ آئیں (۱) علم (۲) زہد و تقویٰ (۳) امر بالمعروف نہی عن المنکر حتی کہ آپ نے سلاطین وقت کو بھی نہیں بخشا، بہت سی کتب کے مؤلف ہیں کان اماماً، کبیراً، عالماً، جلیلاً، محدثاً، فقیہاً ان جیسی گراں قدر شخصیت رقمطراز ہیں: ”اعلم أن الاشتغال بعلم الحديث من افضل القرب واجل الطاعات واهم انواع الخير والعبادات واولی ما انفقت فيه نفائس الاوقات وشمّر فی درکہ والتمکن فیہ اصحاب الانفس الزکیات وباد روا الی الاهتمام به المسارعون الی الخیرات وسابق الی التحلی به مستبقوا المکرمات وقد تظاهر علی ما ذکرته جمل من الآیات الکریمات والاحادیث الصحیحة المشهورات واقاویل السلف النیرات (مسلم شریف ص ۱۰)۔

یعنی جاننا چاہئے کہ علم حدیث کے ساتھ مشغولیت درسا ہو، تصنیفاً یا تالیفاً ہو، عمل کرنے کے اعتبار سے ہو، یا اشاعت کرنے کے اعتبار سے ہو، یہ نیکیوں میں سے ایک بڑی نیکی ہے اور طاعت جلیلہ میں سے ایک اہم طاعت اور خیر کے کاموں میں

سے ایک اہم ترین قسم ہے اور مکدترین عبادت ہے، اور سب سے بہترین وہ چیز ہے جس کی تحصیل میں اپنے قیمتی اوقات خرچ کئے جائیں اور اس کو حاصل کرنے اور اس میں وسعت و تہجد پیدا کرنے کیلئے وہی لوگ محنت کرتے ہیں جن کے نفوس پاکیزہ ہیں اور اس کا اہتمام کرنے کیلئے وہی لوگ دوڑتے ہیں جو خیر کے کاموں کی طرف مسارعت کرنے والے ہوں اور اس کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہونے کیلئے وہی لوگ مسابقت کرتے ہیں جو خیر و بھلائی کی طرف مسابقت کرنے والے ہیں اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر بہت سی آیات کریمات اور احادیث صحیحہ جو مشہور و معروف ہیں دلالت کرتی ہیں اور سلف صالحین کے روشن اقوال بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

وقال مولانا شاہ ولی اللہ حجة الله فی الارض ان عمدة العلوم البقية ورأسها ومبنى الفنون الدينية واساسها هو علم الحديث الذى يذكر فيه ما صدر من افضل المرسلين صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقرير فهى مصابيح الدجى ومعالم الهدى بمنزلة البدر المنير من انقاداتها ووعى فقد رشد واهتدى واوتى الخير الكثير ومن اعرض وتولى فقد غوى وهو وما زاد نفسه الا التخصير فانه صلی اللہ علیہ وسلم نهى وامر وانذر وبشر وضرب الامثال وذكر وانها مثل القرآن او اكثر (مقدمه حجة الله البالغة)۔

حکیم الامت، مجدد الملت، ناطق دوراں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ علوم شرعیہ کا مدار علیہ اور مفتاح اور دلائل نقلیہ کی مشکوٰۃ و مصباح

ایمان اور یقینی معاملات کا مدار علیہ اور رئیس اور اسلام کی تعلیمات کی بنیاد و اساس اور فقہی احکامات و اقوال کی دلیل اور دینی فنون کا مأخذ و سرچشمہ علم حدیث ہے، جس میں وہ سب ذکر کیا جاتا ہے جو افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے صادر ہوا، قول و فعل یا تقریر یہ سب اندھیروں میں چراغ اور ہدایت کے پہاڑ ہیں اور بدر منیر کے درجہ میں ہیں، جو ان کے سامنے منقاد و مطیع ہوا اور جس نے ان چیزوں کو یاد کیا وہ کامیاب ہوا اور ہدایت پا گیا اور جس نے اعراض و روگردانی کی وہ گمراہ ہوا اور خواہشات میں گرفتار ہوا اور اس نے اپنا سخت نقصان کیا، کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا بھی ہے اور حکم بھی فرمایا ہے، ڈرایا بھی ہے اور بشارتیں بھی سنائی ہیں، مثالوں سے بھی سمجھایا اور وعظ و نصیحت بھی فرمائی، اور یہ سب ذخیرہ قرآن جیسا ہے بلکہ مقدار میں اس سے بھی زیادہ ہے۔

ان اقوال کی روشنی میں آپ کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ حضرت العلام حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب اس مقام پر جو پہنچے ہیں اپنی ان عظیم خدمات اور انتہائی درجہ کا انہماک اور اشتغال کی برکت سے پہنچے ہیں، ان کی فضیلت اور افضلیت بلکہ اشرفیت اور اکرمیت جہاں تقویٰ و طہارت اور پاکیزگی نفس، خوفِ خدا، فکرِ آخرت کی وجہ سے ہے، وہیں اشتغال بالحدیث کی خصوصیت کی بنیاد پر ہے اور اس درجہ کا انہماک متقدمین میں ہوتا تھا، جن کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا ”احد ائمة الحدیث“ جیسا کہ حضرت امام شعبہؒ کے حالات میں بعض حضرات نے کہا: احد ائمة الحدیث کہ حدیثوں کے اماموں میں سے ایک بڑے امام تھے، امام احمد ابن حنبلؒ نے حضرت امام شعبہؒ کے بارے میں فرمایا: کان امة الوحدة کہ وہ تنہا ایک امت کے قائم مقام تھے، ٹھیک اسی

طرح حضرت شیخ اس دور میں اپنی ذات میں بھاری بھر کم شخصیت تھے اور علمی اعتبار سے وہ تنہا ایک جماعت کے برابر تھے، یحییٰ بن معینؒ نے کہا کہ حضرت امام شعبہؒ امام المتقنین تھے کہ آپ ان حضرات کے امام تھے جو حدیث کے باب میں ضبط و اتقان اور یادداشت کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: مات الحدیث بموت شعبہ کہ آج شعبہ کا انتقال اور وفات کیا ہوگی ایسا لگ رہا ہے کہ علم حدیث ہی رخصت ہو گیا، آج بھی حضرت شیخ کی وفات حسرتِ آیات پر کچھ ایسا ہی منظر ہے، ابنِ حبانؒ نے فرمایا: کان من سادات اہل زمان حفظاً و اتقاناً و ورعاً و فضلاً کہ آپ اپنے زمانہ کے ان لوگوں کے سردار تھے جو حفظ اور اتقان اور ورع و تقویٰ اور اپنی فضیلت میں بہت آگے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا کہ آپ اپنے زمانہ کے ایسے شخص تھے جو قابل اقتداء تھے، اس دورِ قحط الرجال میں حضرت شیخ کے حالات بھی اسی انداز پر ہیں جو ان حضرات نے فرمایا کہ آپ کا خالص علم حدیث کے ساتھ اشتغال اور علم و عمل کی خصوصیات آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ کی یگانہ عبقری شخصیت ثابت کرتی ہے۔

(بہ شکر یہ ماہنامہ صدائے حق گنگوہہ بابتہ ماہ جولائی، اگست ۲۰۱۷ء)

آہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد سعیدی ناظم و متولی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

ریحانۃ الہند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمہ ابن جناب شبیر احمد صاحب ۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء شنبہ کے دن اپنے گاؤں چوکیا، کھیتا سرائے ضلع جون پور (یوپی) میں پیدا ہوئے، والدہ ماجدہ کاسا یہ ایسے وقت سر سے اٹھا، جب آپ صرف ۵ سال ۱۰ ماہ کے تھے (سرکارِ دو عالم صلی اللہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا جب وصال ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی تقریباً یہی تھی)۔

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد آپ اپنی نانی کے پاس رہنے لگے، ایک دفعہ نانی اپنے لڑکے یعنی حضرت شیخ کے ماموں کی اس لئے پٹائی کر رہی تھیں کہ وہ پڑھنے میں تساہل اور تغافل کر رہے تھے، حضرت شیخ نے کم عمری کے باوجود اسی دوران نانی جان سے عرض کیا کہ میں بھی پڑھنے جاؤں گا۔ اس عرض و گزارش پر فوری عمل کیا گیا، زادِ راہ تیار ہوا، کھانا پکا اور وہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک مکتب کے لئے اپنے ماموں کے ساتھ روانہ ہوئے، کم عمری کی وجہ سے آپ تھک گئے تو ماموں نے جو خود بھی لڑکے تھے اور پڑھنے کے لئے جارہے تھے، اپنے کندھے پر اٹھالیا، جب تھک گئے تو اتار دیا اور اس طرح مکتب پہنچ گئے، حالات کچھ ایسے بنے کہ وہاں نہ پڑھ سکے اور پھر ایک دوسرے مکتب میں پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے،

وہاں بغدادی قاعدہ پڑھا، آپ کے ماموں نے تعلیم ترک کردی تو آپ کا پڑھنا بھی موقوف ہو گیا۔ کچھ دن بعد ایک پرائمری اسکول آپ ہی کے گاؤں میں قائم ہو گیا تو آپ اس اسکول میں جانے لگے، درجہ دوم تک وہاں پڑھا پھر درجہ سوم کیلئے مانی کلاں کے ایک پرائمری اسکول میں داخل ہوئے۔

آپ کے والد ماجد سادہ مزاج، دیندار، پابندِ صوم و صلوة، پرانی وضع رکھنے والے، انگریزی دور سے شناسا اور انگریزیت کی زہرناکیوں سے واقف تھے، اس لئے آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ اپنے جگر گوشہ کو ایسی تعلیم دلائی جائے جس کی بنیاد کفر پر ہو اور جس کا حاصل صرف مادیات کا حصول ہو۔ ہندی انھیں پسند نہیں تھی کیونکہ ہندی اسکولوں میں بھی کفر اور شرک کی بھرمار ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مدظلہ نے خود اپنا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ میں ایک دن ایک ہندی کتاب پڑھ رہا تھا جس میں لکھا تھا کہ ”طوطا رام رام کرتا ہے“ والد ماجد نے یہ سنا تو فرمایا کہ ”بس بہت پڑھ لیا کتاب رکھ دو“ اور اس طرح آپ کی عصری تعلیم موقوف ہو گئی۔

ابتدائی دینی تعلیم فارسی سے سکندر نامہ تک علاقہ کے مکاتب میں حاصل کی، ابتدائی عربی سے مختصر المعانی، مقامات حریری، شرح وقایہ، نور الانوار تک کی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم مانی پور جون پور میں حاصل کی، اکثر کتابیں حضرت مولانا ضیاء الحقؒ سے، مولانا نور محمدؒ سے تعلیم الاسلام اور شرح جامی بحث اسم حضرت مولانا عبدالحلیم ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے پڑھیں۔

مظاہر کی خاموش تعلیم، یہاں کے اکابر و اسلاف کی مشک بار تربیت، روح و روحانیت،

اصلاح باطن، اذکار و مجاہدات، افکار و تخیلات، سادگی و قناعت، شرافت نفس اور تواضع و للہیت کی نورانیت عالم میں اپنا شہرہ بلند کئے ہوئے تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں طلبہ اولاً یہیں داخلہ کی خواہش و کوشش کرتے تھے، اس سلسلہ میں بہت سے واقعات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی ”آپ بیتی“ میں درج ہیں اور بعض واقعات ”پرانے چراغ“ سے بھی معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت شیخ محمد یونس علیہ الرحمہ کے استاذ باکمال حضرت مولانا عبدالجلیلؒ خود اسی ادارہ کے فارغ و فاضل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے مسٹر شد تھے، اسلئے حضرت والا کے مزاج اور طبیعت میں ”مظاہر“ سما یا ہوا تھا چنانچہ ۱۵ شوال ۱۳۷۷ھ ۵ مئی ۱۹۵۸ء دو شنبہ کو آپ استاذ محترم کے اشارہ پر مظاہر علوم فروکش ہوئے، دفتر کی جانب سے داخلہ امتحان کیلئے فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کا نام نامی اسم گرامی تجویز ہوا اور حضرت موصوف نے حضرت مفتی صاحب کو مختصر المعانی، شرح وقایہ، قطبی، مقامات حریری، نور الانوار کا امتحان دیکر کامیابی حاصل کی، ۱۳۷۸ھ آپ کا یہاں پہلا سال تھا، امسال آپ نے جلالین، ہدایہ اولین، میبذی اور سراجی وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔

اگلے سال ۱۳۷۹ھ میں بیضاوی شریف، میر قیسی، ہدایہ ثالث، مشکوٰۃ، مقدمہ مشکوٰۃ، شرح نخبۃ الفکر، سلم العلوم اور مدارک پڑھیں۔

۱۳۸۰ھ میں بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، نسائی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، مؤطا امام محمدؒ، مؤطا امام مالکؒ اور شمائل ترمذی پڑھ کر پوری جماعت میں امتیازی نمبرات سے کامیاب حاصل کی، یہاں اس وقت اعلیٰ نمبرات ۲۰ تھے، آپ نے نہ صرف یہ کہ متعدد کتابوں میں ۲۱-۲۱ نمبرات حاصل کئے بلکہ بعض کتابوں میں (۲۱/۲) نمبرات ملے

اور مجموعی طور پر بھی آپ کے نمبرات پوری جماعت میں سب سے زیادہ تھے، اس طرح آپ اپنے ساتھیوں میں شروع ہی سے ممتاز اور برتر قرار پائے۔

آپ نے بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے، ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد اسعد اللہ ناظم مدرسہ سے، مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خانؒ سے اور ترمذی و نسائی حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ سے پڑھیں۔

دورہ حدیث شریف کے رفقاء میں حضرت مولانا سید محمد عاقل سہارنپوری مدظلہ، حضرت مولانا شجاع الدین حیدر آبادی، حضرت مولانا اجتباء الحسن کاندھلوی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے آپ کی سرپرستی فرمائی، شفقت و کرم کا وہ معاملہ جو ایک باپ اپنے بیٹے کیساتھ رکھتا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کے ساتھ فرمایا جس کا تذکرہ خود حضرت شیخ مدظلہؒ کبھی کبھی خصوصی مجلسوں میں بھی فرماتے رہتے ہیں۔

فراغت کے بعد بھی آپ کے تقرر و ترقی میں حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقتیں اور نوازشیں شامل رہیں، چنانچہ مدرسہ کا قدیم ریکارڈ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم ۱۳۸۱ھ کو بمشاہرہ ۷ روپے عارضی معین مدرس مقرر ہوئے۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ کو مستقل استاذ ہو گئے اور یکم شوال ۱۳۸۴ھ کو بمشاہرہ ساٹھ روپے مدرس و سطحی تجویز کئے گئے۔

محترم مولانا محمد ایوب مظاہری سورتی حفظہ اللہ (ابن جناب قاری بندہ الہی میرٹھی) لکھتے ہیں: ”جن چار اساتذہ حدیث کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے کیا اور دورہ کی تمام کتابیں پڑھیں، اگلے چار برسوں میں ان میں سے دو اساتذہ جوار رحمت میں پہنچ گئے، یعنی حضرت

مولانا امیر احمد صاحب اور حضرت مولانا منظور احمد خان صاحب[ؒ] اور دو اساتذہ حدیث یعنی حضرت مولانا شیخ زکریا اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نے اپنے ضعف و پیری اور عوارض و امراض کی وجہ سے ترک تدریس کا فیصلہ کر لیا بالخصوص حضرت شیخ زکریا کے قلب میں تو عشق و محبت کی وہ چنگاریاں دبی ہوئی تھیں جو ان کو حرمین شریفین کے قیام و ہجرت پر مجبور کر رہی تھیں (اگرچہ شیخ الحدیث صاحب کے نواسے نے اپنی ایک تحریر میں حضرت کی مدینہ ہجرت کا مبنی بعض تلامذہ کی جانب سے پیش آنے والی تکالیف کو قرار دیا ہے فیما سفسی علی خفة عقله) مگر ان دونوں حضرات کے سامنے اپنے اکابر و بزرگوں کے لگائے ہوئے پودے ”مظاہر علوم“ کی فکر تھی، کہ کہیں مخالف و تند ہواؤں میں اس پر کوئی آنچ نہ آئے اسلئے اس کی آبیاری اور بنیاد کے مضبوط رکھنے کی فکر اپنے قیام سے زیادہ تھی۔

(البیواقیۃ الغالیۃ فی تحقیق و تخریج الاحادیث العالیۃ ص: ۱/۱۷)

یہ وہ زمانہ ہے جب تقریباً تمام پرانے چراغ گل ہو چکے تھے، شجر ہائے سایہ دار مرجھا چکے تھے، شگفتہ پھول کمہلا گئے تھے صرف دواہم شخصیات باقی تھیں جو خود بھی چراغ سحری تھیں تاہم ان کے دل کی ہر دھڑکن مظاہر علوم تھا، ان کا ہر سانس ادارہ کا تحفظ و تشخص تھا، ان کی آہ سحر گاہی کا مرکز و محور مظاہر تھا، ایک عشق رسول میں مدینۃ النبی جانے کیلئے بے قرار تو دوسرا عشق الہی میں حضور رب کے لئے تیار اور ادھر مظاہر جس کا ماضی نہایت شاندار لیکن مستقبل موہوم و مدہم یہ سوچ کر ان دونوں حضرات نے طے کیا کہ ناممکن ہے کہ ملت اسلامیہ بانجھ ہو جائے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ مظاہر جیسا شجر سایہ دار خشک ہو کر قصہ پارینہ بن جائے۔ چنانچہ مولانا محمد ایوب مدظلہ آگے لکھتے ہیں

”کسی بھی ادارہ میں دو منصب اہم ہوتے ہیں ایک ناظم و مہتمم کا اور ایک شیخ

الحدیث کا اور ان دونوں اکابر کے سامنے یہ منصب اس کے اہل کو سپرد کرنے کی فکر اور اس کا داعیہ تھا، اسلئے کہ وعید نبوی بھی ہے اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانظر الساعة چنانچہ مناسبت و استعداد کو دیکھ کر حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین صاحب[ؒ] کو ناظم مدرسہ کیلئے اور حضرت الاستاذ مولانا محمد یونس صاحب کو شیخ الحدیث کیلئے رفتہ رفتہ تیار کیا اور جب جس کا موقع آیا اس کو وہ منصب سپرد کر دیا گیا۔“ (البیواقیۃ ص: ۱/۱۷)

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ[ؒ] اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے طے کیا کہ ان دونوں مسندوں کے لئے دو افراد ایسے تیار کئے جائیں جو اپنے مقام پر مکمل ہوں چنانچہ نظام مدرسہ کیلئے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا جائے جو تدبیر و تدبر، حالات و شؤون سے آگہی، واقعات و پس منظر سے واقفیت، روایات و تعامل کی معلومات، احکام و فتنہ کے نتائج و ثمرات، فتن و فتنہ پردازوں کی سرکوبی کا ہنر رکھتا ہو، از میزان تاجاری پڑھانے کا فن اپنے اندر سموئے ہوئے ہو، علو نسبت، صلاحیت و صالحیت، تقویٰ و دیانت اور امانت جیسی خوبیوں سے مرصع ہو تو مسند حدیث کیلئے امہات کتب کے علاوہ محدثین و فقہاء کے حالات، مختلف علوم و فنون پر دسترس، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تمام متبعین کے دلائل و براہین پر نظر، فقہ حنفی کا اثبات، زہد و قناعت، عبادت و ریاضت، خاکساری و مسکنت، تواضع و فروتنی، مآخذ و مظان پر عبور کامل، دیگر مسالک و ممالک کے علماء و صلحاء اور ماہرین کے تذکار سے روشناس ہو اور سب کی احاث پڑھنے، بتانے اور سنانے کے بعد اپنے مسلک و مشرب کی شاندار تشریح و توضیح وغیرہ بنیادی مسائل و معاملات پر مکمل گرفت رکھتا ہو۔

مجھے یہ کہنے اور لکھنے میں کوئی تامل یا تردد نہیں کہ اکابر کا یہ انتخاب لا جواب تابناک اور روشن مستقبل کی ضمانت ثابت ہوا، حضرت مفتی مظفر حسینؒ جیسے بالغ نظر مفکر و مدبر اور صالح انسان کا مظاہر جیسی باوقار درس گاہ کے منصب نظامت پر فائز ہونا مشیت الہی تھا تو دوسری طرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ کا مسند حدیث کے لئے انتخاب بلاشبہ عنایت الہی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے ایک دفعہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے مدرسہ کی عمارت دارالطلبہ جدید کی مسجد میں خطاب کے دوران فرمایا کہ میں نے تین دعائیں کی تھیں ان میں سے دو دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔

(۱) مدرسہ کو اس کے شایان شان ناظم مل جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور ”قاری مظفر“ جیسا عالم اس ادارہ کا ناظم بنا۔

(۲) دوسری دعائیں نے یہ کی تھی کہ میرے شیخ حضرت مولانا غلیل احمدؒ کی ”بذل المجہود“ شائع ہو جائے، الحمد للہ وہ بھی شائع ہو گئی۔

(۳) تیسری دعائیں نے یہ کی تھی میرا انتقال مدینہ پاک میں ہو جائے، آپ حضرات بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، الحمد للہ باری تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور جنت البقیع میں جگہ ملی۔

بہر حال حضرت مولانا محمد یونسؒ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی جانشینی کے لئے انتخاب محض عنایت الہی ہے چنانچہ ۱۳۸۴ھ میں جب آپ کے استاذ حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ کا وصال ہو گیا تو آپ استاذ حدیث بنائے

گئے، پوری تفصیل حضرت والا مدظلہ کے قلم سے آپ بھی پڑھتے چلیں۔

”ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ میں حضرت استاذی مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال ہو جانے کی وجہ سے مشکوٰۃ شریف استاذی مفتی مظفر حسین ناظم اعلیٰ مظاہر علوم کے یہاں سے منتقل ہو کر آئی جو ”باب الکبائر“ سے پڑھائی پھر آئندہ سال شوال ۱۳۸۵ھ میں مختصر المعانی، قطبی، شرح وقایہ مشکوٰۃ شریف مکمل پڑھائی اور شوال ۱۳۸۶ھ میں ابوداؤد شریف، نسائی شریف، نور الانوار زیر تعلیم رہیں اور شوال ۱۳۸۷ھ سے مسلم، نسائی، ابن ماجہ مؤطین زیر درس رہیں، اس کے بعد شوال ۱۳۸۸ھ میں بخاری شریف و مسلم شریف و ہدایہ ثالث پڑھائی“

(الیواقیت الغالیہ ص ۲۰۱۹)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے حضرت شیخ مدظلہ کے پہلے سال کی تدریس بخاری و مسسلات کا ذکر خیر اپنی نامور الیلبی کتاب ”آپ بیتی“ میں بھی کیا ہے۔

حضرت شیخ مولانا محمد یونس علیہ الرحمہ کی تدریس بخاری کا سلسلہ الحمد للہ بہت جلد علماء و خواص میں مقبول ہوتا چلا گیا جب بخاری شریف کی تکمیل کا موقع ہوتا تو عوام و خواص کی حالت دیدنی ہوتی تھی، خود حضرت والا کو اگر معلوم ہو جاتا کہ حضرت شیخ الحدیث مہاجر مدنیؒ کی آمدان دنوں میں متوقع ہے تو بخاری کی ایک دو حدیث روک لیتے تاکہ حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ سے ختم بخاری کرایا جائے، چنانچہ خود حضرت شیخ الحدیث مہاجر مدنیؒ ایک جگہ اپنی ”آپ بیتی“ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”سہارنپور واپسی پر معلوم ہوا کہ مولانا یونس صاحب نے بخاری کا ختم روک

رکھا ہے اس لئے حسب سابق دوشنبہ کی صبح کو ساڑھے نو بجے زکریا اور ناظم صاحب بھی پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ ایک حدیث روک رکھی ہے، عبارت تو خود مولانا نے پڑھی، دعاء کے بعد زکریا اور ناظم صاحب تو واپس آ گئے، اس کے بعد مولوی یونس صاحب نے سبق ختم کرایا، دعاء مولوی وقار صاحب نے کرائی اور اس کے بعد ناظم صاحب نے طلباء کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ (آپ بیتی: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) معلوم ہوا کہ ختم بخاری کا یہ شاندار اور جاندار سلسلہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم اور دیرینہ روایت ہے چنانچہ ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ

”۱۲ اگست ۱۳۵۷ھ ۳ شعبان ۱۳۹۵ھ بخاری شریف کا ختم ہوا، اول مسلسل بالاولیۃ“ کی حدیث پڑھی گئی، اس کے بعد مولوی یونس نے بخاری کی آخری حدیث پڑھی، متن دونوں کا زکریا نے پڑھا، اس کے بعد کھا نا کھایا“ (آپ بیتی)

الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخريج الاحادیث العالیۃ کے جامع رقم طراز ہیں:

”آپ کی علمی عظمتوں اور تدریسی صلاحیتوں کا اکابر نے اعتراف کیا بالخصوص آپ کے شیخ و مرشد محدث وقت حضرت مولانا محمد زکریا کا ندھلوی ثم الہما جر المدنی نے آپ کو اس طرح حدیث شریف کے لئے تیار کیا جس طرح حضرت شیخ کو ان کے شیخ و استاذ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نے تیار کیا تھا“۔ (الیواقیت ص: ۱۶/۱)

حضرت شیخ مہاجر مدنی کو حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی صلاحیتوں کا خوب

اندازہ تھا جس کی ترجمان حضرت والا کی یہ تحریر اینیق ہے۔

ابھی کمسن ہیں وہ کیا عشق کی باتیں جانیں
عرض حال دل بیتاب کو شکوہ سمجھے

ابھی تدریس دورہ کا پہلا سال ہے اور اس سیدہ کار کو تدریس دورہ کا اکتالیسواں سال ہے اور تدریس حدیث کا سینتالیسواں سال ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت دے اور مبارک مشغلوں میں تادیر رکھے جب سینتالیس پر پہنچ جاؤ گے تو ان شاء اللہ مجھ سے آگے ہو گے۔ فقط

(نوٹ: اس پرچہ کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں، چالیس سال کے بعد پڑھیں)

حضرت شیخ محمد یونس علیہ الرحمہ کو والد ماجد حضرت مولانا اطہر حسینؒ سے قلبی لگاؤ اور دوستانہ تعلق تھا، بارہا حضرت شیخ مدظلہ غربت کدہ پر والد صاحب سے ملاقات کیلئے تشریف لاتے اور دیر تک دونوں بزرگ محو گفتگو رہتے، کئی بار گھر کی معمولی سی دہلیز میں کپڑا بچھا دیا جاتا اور حضرت شیخ اس پر تشریف فرما ہو کر ناشتہ کرتے۔

جناب بھائی علاؤ الدین صاحب سینفی محلہ یحییٰ شاہ پکا باغ سہارنپور کا بر کے منظور نظر اور اہل مظاہر کے خاص اہل تعلق میں تھے، اکثر ان کے یہاں دعوت ہوتی، جس میں اکثر علماء مظاہر تشریف فرما ہوتے، فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ، والد محترم حضرت مولانا اطہر حسینؒ، حضرت مولانا محمد یامین صاحبؒ، حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمہ، مولانا بشیر احمد صاحبؒ اور مولانا انیس صاحب دیوبندی بالخصوص

اس دعوت کے شرکاء ہوتے اور مولانا انیس احمد مرحوم سے اکثر مزاح بھی ہوتا جو بڑا دلچسپ اور کیف افزا منظر پیش کرتا۔

یہ بزرگان دین کھانے پینے میں بڑے محتاط اور ورع و تقویٰ کے خوگر تھے، اس لئے دعوت کے سلسلہ میں بہت محتاط واقع ہوئے تھے، کسی کی دعوت جلد قبول نہ فرماتے اگر تحقیق کے بعد حلال کا یقین ہو جاتا تو دعوت قبول کرنے میں سنت نبوی پر عمل پیرا ہوتے اور معمولی آدمی کی دعوت بھی قبول فرما لیتے اور اہتمام کے ساتھ اس میں شرکت فرماتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کبھی کبھی والد ماجد حضرت مولانا اطہر حسینؒ سے خوابوں کی تعبیر بھی معلوم کرتے اور والد صاحب کی بتائی ہوئی تعبیر کو دوسرے معبرین کی تعبیر پر ترجیح دیتے اور ان کے علم و تقویٰ کی بھی قدر فرماتے، ہر دو بزرگوں کے درمیان دیرینہ مخلصانہ ربط و تعلق برقرار رہا، دونوں ہی علم و عمل اور تقویٰ و طہارت میں آفتاب و ماہتاب رہے۔

مولانا محمد ایوب صاحب نے حضرت والا کی درسی خصوصیات پر جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ بلا مبالغہ غنی بر حقیقت ہیں:

”ہمارے حضرت الاستاذ کے درس حدیث میں ہم نے وہ پایا جو اور جگہوں پر نظر نہیں آیا، بخاری شریف کا درس کیا ہوتا ہے ایک بحر نا پیدا کنار، محدثین و متکلمین، مفسرین و شراح کرام اور ائمہ جرح و تعدیل کے ناموں کی ایک فہرست ذہن نارسا میں نقش ہوتی جاتی ہے، رواۃ پر سیر حاصل کلام اور کوئی قول بغیر حوالہ کے نہیں اور کوئی حوالہ نقل و نقل نہیں بلکہ اصل تک پہنچنے کی کامیاب کوشش ہوتی ہے۔ شرح حدیث اقوال ائمہ، دلائل طرفین اور ان میں موازنہ وجہ ترجیح وغیرہ سب کچھ ہی بیان ہوتا گویا فتح الباری

یعنی، قسطلانی و کرمانی سب ہی کا خلاصہ اور لب لباب ہمارے سامنے ہوتا۔ اس طرز تدریس کا فائدہ یہ ہوا کہ پڑھنے والوں میں ذوق تحقیق پیدا ہوا، لکھنے پڑھنے کا ایک ڈھنگ آ گیا اس وقت بے شمار مدارس عربیہ میں شیخ الحدیث اور اساتذہ حدیث حضرت الاستاذ ہی کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں جو پورے شرح و بسط اور اطمینان و وثوق کے ساتھ حدیث و علوم حدیث کے نکات بیان کر رہے ہیں“۔ (الیواقیت ص: ۱۸/۱)

آپ بچپن ہی سے نیک و صالح ہیں تقویٰ و طہارت آپ کی سرشت میں داخل ہے اور نظافت و نفاست آپ کا شعار و دثار ہے، اس لئے آپ شروع ہی سے حضرات اساتذہ کی دعاؤں کا خصوصی مرکز اور ان کی توجہات و عنایات کا ہمیشہ محور رہے، چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے آپ کو بیعت فرمایا تو ۵/محرم الحرام ۱۳۹۶ھ کو مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ نے اجازت و خلافت عطا فرمائی اور فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین نور اللہ مرقدہ گویا باپ کے درجہ میں رہے اور آپ کی ہر ممکن راحت کا خیال فرماتے رہے۔

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ سے خلافت ملنے کا واقعہ خود حضرت والا کی زبانی سنتے چلے:

”حضرت اقدس مولانا محمد اسعد اللہ صاحب سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم نے بروز پنجشنبہ ۵/محرم الحرام ۱۳۹۶ھ میں ظہر کے بعد اجازت مرحمت فرمائی جس کا از خود شہرہ ہو گیا چونکہ احقر کا بیعت کا تعلق حضرت قطب العالم شیخ الحدیث کاندھلویؒ تم المہاجر المدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا اسلئے حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کی اجازت کے بعد بھی اپنے حضرت نور اللہ مرقدہ سے ہی تربیت کا تعلق رہا اور بحمد اللہ بالکل کبھی اجازت کا کوئی خیال بھی نہیں آتا تھا گواہل اللہ کے ارشاد کی دل میں قدر تھی اور ہے۔

اسی سال ۵/۵۷ قعدہ کو حضرت شیخ محمد یونس علیہ الرحمہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کی مجلس میں حسب معمول حاضر تھے، حضرت نے آپ کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ

”میرا ارادہ تین چار سال سے تجھے اجازت دینے کا ہے لیکن تیرے اندر تکبر ہے“

حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں خاموش رہا اور الحمد للہ حضرت کے کہنے پر طبیعت پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا، اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت والا کو حضرت ناظم صاحب کی اجازت کا علم ہو گیا ہوگا؟ فرمایا کہ ”ہاں“ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت ناظم صاحب نے کیوں اجازت دی؟ حضرت نے اس پر کیا ارشاد فرمایا یا نہیں رہا پھر فرمایا کہ ”تجھے میری طرف سے اجازت ہے“ اس طرح حضرت شیخ مدظلہ نسبت تھانوی ورشیدی دونوں کے جامع ہو گئے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی سعادت اور خوش نصیبی کی معراج یہ ہے کہ تقریباً پچاس سال سے حدیث نبوی کی خدمت کر رہے ہیں، اس طویل عرصہ میں فضلاء مظاہر کی وہ تعداد جنہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے وہ ہزار ہا ہزار ہیں جن میں سے بعض تو مرکزی اداروں میں شیوخ حدیث اور بعض دیگر اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں۔ حدیث کی خدمت اور احادیث کے سلسلہ میں آپ کی معلومات کا دائرہ بہت ہی

وسیع ہے جس کا اندازہ صرف اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا بھی بعض علمی سوالات آپ سے کرتے تھے، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی اور خدا جانے کتنے اعظم رجال نے تحقیقی سلسلہ میں آپ سے رجوع کیا ہے گویا آپ معرفت متون حدیث و اسماء رجال کی شناخت بن چکے ہیں اور مظاہر کا وہ تفوق جو اس کو حدیث کے سلسلہ میں حاصل ہے، آپ نے اس کو تمام اقدار و روایات کے ساتھ برقرار رکھا ہوا ہے۔

ایک محدث کے لئے جو شرائط ہو سکتی ہیں حضرت والا کے اندر بحمد اللہ وہ تمام شرائط اور صفات و میرات بدرجہ اتم موجود ہیں، احوال زمانہ پر اطلاع جو ایک عالم دین کیلئے انتہائی ضروری ہے، حضرت شیخ کو وافر مقدار میں حاصل ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک گوشہ نشین، زاہد و قانع، اور مستغنی شخص کتب حدیث و تفسیر اور اس کے متعلقہ علوم و فنون پر کامل دسترس کے علاوہ مختلف ملکوں کے حالات، ماحول اور وہاں کی اقدار و روایات اور تحریکات تک سے واقف ہے، چنانچہ اس کی صرف دو مثالیں تحریر ہیں۔

”سری لنکا“ کے ایک شیخ الحدیث بغرض حصول اجازت حدیث حاضر خدمت ہوئے، حضرت والا نے ایک حدیث کی تلاوت فرما کر اجازت عنایت فرمائی، اس کے بعد سری لنکا کی شخصیات و حالات، مزاج، رہن سہن، بود و باش پر بھی گفتگو فرمائی۔

”بلشیا“ کے ایک محدث حاضر خدمت ہوئے ان کو اجازت حدیث عطا فرمائی

پھر وہاں کی تحریکات، مذاق و معیار، شخصیات، جغرافیائی کیفیات اور حالات کا اس

طرح تجزیہ کیا جیسے وہ نگاہ کے سامنے ہوں، مجلس میں بیٹھنے والے متحیر تھے کہ ایک گوشہ نشین پوری دنیا کے حالات پر کس طرح نظر رکھتا ہے“ (الیواقیت ص: ۱۸/۱)

تقویٰ اور پرہیزگاری میں بھی آپ مثالی شخصیت کے حامل ہیں، مدرسہ کے خلفشار کے بعد سے آپ نے تنخواہ لینا ترک فرمادیا۔ آپ الحمد للہ ملک و بیرون ملک کے اسفار کے علاوہ حج و زیارت کی سعادت سے کم و بیش ہر سال مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ ملی ہمدردی و خیر خواہی کے سلسلہ میں آپ کے بے شمار واقعات ہیں، چنانچہ دو سال پہلے مظفر نگر فسادات میں سیکڑوں مسلمان شہید اور ہزاروں افراد بے گھر ہو گئے تھے، مدرسہ نے مصیبت زدگان کے لئے اہل خیر سے تعاون کی اپیل کی، فساد زدہ لوگوں تک براہ راست امدادی سامان پہنچانے کا نظام بنایا گیا، سہارنپور کے غیور، باہمت و باحمیت مسلمان جو الحمد للہ مدرسہ کی ہر آواز پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اس موقع پر بھی انہوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون کیا، مہمان خانے کے کشادہ ہال اور وسیع صحن ساز و سامان سے بھر گئے، کتنی ہی مرتبہ بڑے بڑے ٹرکوں کے ذریعہ مدرسہ کے عملہ کو وہاں بھیج کر سامان تقسیم کرایا گیا۔ جب یہ خبر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس علیہ الرحمہ تک کشاں کشاں پہنچی تو حضرت والا نے اپنا تمام نیا پرانا سامان یہاں بھجوانے کے علاوہ فساد زدگان کیلئے خطیر رقم بھی ارسال فرمائی، اسی طرح دوران سفر حضرت والا کو جو ہدایا اور تحائف ملتے ہیں وہ کتنے ہی اہمیت کے حامل کیوں نہ ہوں، مختلف مدارس میں تقسیم فرمانے کا معمول ہے جو خداداد جو دو سخا کار ہین منت ہے۔

ملک و بیرون ملک کے مختلف علماء کبار نے آپ سے وقتاً فوقتاً جو علمی سوالات کئے

اور آپ نے ان کے محققانہ جوابات تحریر فرمائے وہ تمام جوابات کاپیوں کی شکل میں محفوظ تھے، اللہ تعالیٰ نے بعض اہل علم کو اس کی توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے ان علمی شہ پاروں کو یکجا مرتب و مدون کر کے شائع کر دیا ہے، چنانچہ جناب مولانا محمد ایوب سورتی کی کوششوں سے یہ بیش قیمت مجموعہ ”الیواقیت الغالیہ فی تخریج احادیث العالیہ“ کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور بعض اہل علم کی کوششوں سے فن کے اعتبار سے الگ الگ اجزاء شائع ہو رہے ہیں اس سلسلہ میں ”نوادیر الحدیث“ کے نام سے ایک جزء بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ کئی مفید تالیفات اور تقاریر شائع ہو چکی ہیں جن میں ”تخریج احادیث مجموعہ چہل حدیث“، ”فیوض سبحانی“ وغیرہ منظر عام پر آ چکی ہیں۔

بہت سے علمی شہ پارے ہنوز پردہ خفا میں ہیں جن میں سے مقدمہ ہدایہ، سوانح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، مقدمہ بخاری، الیواقیت واللالی، جزء حیات الانبیاء، تخریج احادیث اصول الشاشی، مقدمہ مشکوٰۃ، مقدمہ ابوداؤد، جزء معراج، جزء المحراب، جزء رفع الیدین، جزء قراءت، ارشاد القاصدالی ماکرر فی البخاری و اسناد واحد، قابل ذکر ہیں۔

تعلیم و تعلم کے بابرکت سلسلہ کے علاوہ بیعت و ارشاد کا مبارک سلسلہ بھی جاری ہے اور ملک و بیرون ملک کی بعض اہم مقتدر شخصیات آپ کے ذریعہ سلوک کی منزلیں طے کر رہی ہیں، خلفاء و مجازین کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔ اللہم زد قدر

راقم الحروف کو بھی حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف حاصل رہا اور حضرت سے غیر معمولی استفادہ کا موقع ملا ہے، طبعی طور پر حضرت سے زمانہ طالب

علمی سے ہی مناسبت رہی، احقر کو حدیث شریف سے شغف اور اس سے مناسبت در حقیقت فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اطہر حسینؒ کی توجہات سامیہ کے علاوہ حضرت شیخ کے تلمذ اور ان سے استفادہ کا ہی نتیجہ ہے، طبعی مناسبت اور قلبی انسیت کا ثمرہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں عموماً زیارت منامی حاصل ہوتی رہتی ہے، بعض منامات میں حضرت کے احوال رفیعہ سے آگاہی کا حصول بھی اسی مناسبت کا نتیجہ ہے، گزشتہ سالوں میں حضرت علالت کے دوران جب مدینہ منورہ زیر علاج تھے، لوگوں پر مایوسی طاری تھی اور حضرت کی مزید حیات کی بظاہر کوئی امید نہ تھی، اس وقت احقر کو دعا کی سعادت نصیب ہوتی رہی اور اسی ضمن میں منجانب اللہ یہ بشارت مل گئی کہ ابھی حضرت والا بقید حیات رہ کر مزید خدمت حدیث کا مبارک مشغلہ جاری رکھیں گے۔ افسوس کہ آسمان علم و ہدایت کا یہ نیر تاباں آج ۱۷/شوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱/جولائی ۲۰۱۷ء بروز شنبہ میڈی گرام ہسپتال سہارنپور میں ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہو گیا۔

چراغِ لاکھ ہیں لیکن کسی کے بجھتے ہی
برائے نام بھی محفل میں روشنی نہ رہی

☆☆☆

”پندرہویں صدی ہجری کے عظیم محدث“

حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی

استاذ حدیث و ادب دارالعلوم وقف دیوبند

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اکابر محدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، محدث جلیل حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی علیہم الرحمہ کے جانشین اور پندرہویں صدی ہجری کے محدث اعظم حضرت مولانا محمد یونس مظاہری شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کا ۱۱/جولائی ۲۰۱۷ء کو انتقال ہو گیا، رحمہ اللہ و تغمدہ اللہ بغفرانہ

حضرت مولانا محمد یونس جو پوری رحمہ اللہ کے انتقال سے سہارنپور کے علماء کی خدمات حدیث کے سلسلے کی ایک زریں کڑی کم ہو گئی، ایک علمی خلا پیدا ہو گیا، اللہ رب العزت اس کی تکمیل کا ذریعہ پیدا فرمائے۔ آمین

راقم الحروف کو پچاس سال پہلے مظاہر علوم سہارن پور کا وہ منظر یاد آنے لگا جب ہم طلبہ کو معلوم ہوا تھا کہ معروف زمانہ، عظیم تر شخصیت، محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور نے بخاری شریف کا کچھ حصہ تدریس کے لیے ایک نوجوان فاضل مولانا محمد یونس جو پوری کے حوالے کر دیا ہے، پھر وہ منظر بھی کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب اپنی روایتی نفاست و نزاکت اور علمی شان کے ساتھ دارالحدیث میں جلوہ افروز ہوئے۔ ایک محدث کے وقار اور عالمانہ صورت میں، سر پہ

عمامہ اور اس میں ایک خوبصورت گلاب کا پھول، جس سے علمی شوکت اور خوبی کا اظہار، ہم طلبہ میں بیحد مسرت کا سماں، دارالحدیث کی عظمت کا عکس اور مظاہر علوم کی فضا میں اللہ کی رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کا تصور، علوم دینیہ کا طالب علم اسی خیال سے سرشار۔

یہ ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ کی بات ہے، راقم الحروف مظاہر علوم سہارنپور میں شرح جامی کی جماعت میں داخل ہوا تھا، جب ناظم ادارہ ایک معروف علمی و روحانی ہستی حضرت مولانا اسعد اللہ خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی صورت میں موجود تھی، ناظم صاحب بہت ضعیف ہو چکے تھے، مگر حدیث کی ایک کتاب ”طحاوی شریف“ زیر درس تھی جو مسجد قدیم میں جاری تھی اور مظاہر علوم کے اکابر محدثین کے جانشین اور علمی و عوامی حلقوں میں ”شیخ الحدیث“ کے لقب سے سے شناخت رکھنے والے حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی، تدریسی اور اصلاحی فیضان جاری تھا۔ باکمال و باصلاحیت اساتذہ کی ایک جماعت طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مشغول تھی، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ نائب ناظم کی حیثیت سے تعلیمی و انتظامی امور کی نگرانی پر مامور تھے، ساتھ ہی بعد نماز مغرب ترمذی شریف کا درس دیتے، جو انھوں نے اخیر عمر تک جاری رکھا اور یہ درس ملک بھر کے علماء، طلبہ اور مدارس کے حلقوں میں بیحد معروف و مقبول تھا، اسی زمانے میں ”امام الخو“ کے لقب سے مشہور علامہ صدیق کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شرح جامی بحث اسم کا درس بھی اپنی امتیازی شان کے ساتھ جاری تھا، راقم اسی جماعت میں شریک تھا، دیگر اساتذہ میں حضرت مفتی محمد یحییٰ، مفتی عبدالعزیز رائے پوری، مولانا وقار علی، مفتی عبدالقیوم رائے پوری اور مولانا محمد

عادل سہارن پوری (موجودہ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور) قدیم اور نمایاں اساتذہ موجود تھے جو اپنے علمی فیضان سے طلبہ کو فیضیاب کر رہے تھے۔

ان قدیم اساتذہ کی موجودگی میں حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کا بخاری شریف کی تدریس کے لیے انتخاب ہم طلبہ اور عام لوگوں کی نظر میں حیران کن ضرور تھا، مگر ناظم صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی دور بین نگاہوں نے مولانا یونس کی صلاحیتوں اور علم حدیث سے گہری وابستگی کو اچھی طرح پہچان لیا تھا، ابھی مولانا کی عمر بہ مشکل ۳۰ سال رہی ہوگی، جوان العمر اور غیر شادی شدہ، نازک طبع، نفاست پسند اور یکسو رہنے والے۔ اللہ رب العزت نے اس عمر میں ہی اتنی اہم ترین کتاب کی تدریس کے لیے توفیق عطا کر دی تھی، ابتدائی سالوں میں انھوں نے مظاہر علوم میں ابتدائی اور متوسط درجات کی کتابیں بھی پڑھائیں اور جس سال بخاری کے کچھ حصے ان سے متعلق ہوئے اس سال بھی حدیث کی کتاب ابوداؤد اور نسائی شریف زیر درس تھی، پھر نصف صدی تک بخاری شریف کا درس اس طرح جاری رہا کہ برصغیر کے علاوہ اسلامی دنیا میں وہ محدث کبیر اور شیخ الحدیث کے نام سے امتیازی شناخت کے مالک بن گئے۔

اسی سال طلبہ کی جماعت میں چند ایسے افراد تھے جو بہت نمایاں تھے، ہم نے سنا کہ گذشتہ سال دورہ حدیث میں دو طالب علم سب سے نمایاں نمبرات سے کامیاب ہوئے ہیں اور ابھی ”فنون“ کی جماعت میں داخل ہیں۔ (۱) مولانا محمد یعقوب سہارنپوری اور دوسرے مولانا محمد سلمان مظاہری۔ ہم متوسط جماعت کے طلبہ ان دونوں

کو تحسین اور عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے اور رشک کرتے تھے، اب مولانا سلمان مظاہری مظاہر علوم جدید کے ناظم ہیں اور مولانا یعقوب مظاہر علوم وقف کے سینئر استاذ۔ اسی سال دو طلبہ مختصر المعانی کی جماعت میں تھے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے جو اوقات درس میں مظاہر علوم کی درس گاہوں میں آتے جاتے نظر آتے۔ زیر الحسن اور محمد شاہد۔ معلوم ہوا کہ دونوں حضرت شیخ الحدیث کے عزیز ہیں، یہی مولانا زیر الحسن مرحوم ہیں جو امیر جماعت تبلیغ مولانا انعام الحسن کا ندھلوی کے صاحبزادے تھے اور بعد میں امیر جماعت بنے اور ابھی چند سال قبل ان کا انتقال ہوا۔ دوسرے مولانا شاہد جو حضرت شیخ کے نواسے ہیں اور مظاہر علوم کے امین عام، اپنی علمی تحریری صلاحیتوں سے ہندو بیرون ہند میں معروف و مقبول۔

پھر اسی سال مختصر المعانی کی جماعت میں دو باصلاحیت طالب علموں کے چرچے طلبہ میں ہوا کرتے تھے، ایک محمد وسیم سہارن پوری، جو اپنی جماعت کو مذاکرہ و تکرار کرایا کرتے اور حضرت شیخ الحدیث کے معتمد خاص تھے، اب ماشاء اللہ وہ عرصہ دراز سے خود جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے شیخ الحدیث کی مسند کو زینت بخش رہے ہیں اور ضلع سہارنپور کے ممتاز علماء و محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں، ان سے احقر کی ملاقاتیں بھی رہی ہیں، اور دوسرے طالب علم تھے ثناء اللہ ہزار یباغی، نہایت علمی صلاحیت کے مالک، ذہین اور مستعد، راقم کے وطن سے قریب کے رہنے والے، ساتھ ہی کھانا کھاتے، مجھے خود بھی اپنی قیمتی رائے سے نوازتے رہتے، علمی مشغلوں کی ترغیب دیتے، وہ حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم کے معتمد خاص ہوا کرتے تھے، اب پچاس سال

گذر رہے ہیں، پتہ نہیں مولانا ثناء اللہ مظاہری کہاں ہیں اور کیا مشغولیات ہیں؟ اس زمانے میں مظاہر علوم کی تمام درس گاہیں قدیم عمارت میں ہی تھیں، مگر حضرت ناظم صاحب اور شیخ الحدیث اپنے ضعف کی وجہ سے مسجد قدیم میں ہی درس دیتے، البتہ طلبہ کی رہائش کیلئے قدیم عمارتوں کے علاوہ کچھ فاصلے پر دار جدید کی عمارت بھی (تحتانی منزل) تیار تھی، میرا قیام وہیں پر کمرہ نمبر ۷ میں تھا، اسی کے قریب کمرہ نمبر ۹ (غالباً) میں استاذ گرامی حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب کی رہائش تھی، دار جدید کی نگرانی حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز رائے پوری فرماتے تھے، مگر میرے چند ہم وطن طلبہ کا قیام کمرہ نمبر ۹ قدیم میں تھا، جہاں ہم کھانا کھایا کرتے، یہ حجرہ مسجد قدیم سے متصل تھا اور اسی کے قریب وہ حجرہ تھا جس میں حضرت مولانا محمد یونس جو پوری رہائش پذیر تھے، درس کے اوقات کے علاوہ دوپہر اور شام کو دار قدیم میں ضرور آنا ہوتا تو نظر حضرت مولانا کے کمرے پر پڑتی، یہ کمرہ بھی کیا تھا، ہر طرف کتابیں ہی کتابیں، آرام کے وقت تپائی کو ایک طرف کر کے حضرت سو جاتے، ورنہ باضابطہ علیحدہ بستر یا پلنگ جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی، کبھی کبھی حضرت نے کسی کام کو کہہ دیا تو ایسی خوشی جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، ہم بچے تھے، ابتدائی جماعتوں کے طالب علم حضرت کی خدمت میں حاضری یا کسی علمی تحقیق کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اوقات درس میں اگر ہمارا گھنٹہ خالی ہوتا تو ان کے درس میں شریک ہونے کی سعادت مل جاتی، البتہ بعد مغرب حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کے درس ترمذی میں زیادہ بیٹھنے اور استفادے کا موقع ملتا۔

اگلے سال یعنی ۱۹۶۸ء میں راقم الحروف کی ہم جماعت بڑی تعداد میں طلبہ دیوبند آ گئے، سہارن پور جانا ہوتا تو اساتذہ سے ملاقاتیں ہوتیں، حضرت مولانا سے ملاقات صرف زیارت کی حد تک، البتہ مفتی عبدالقیوم صاحب سے انسیت تھی، ان سے سوالات کرنا یا ان کی نشست میں زیادہ وقت گزارنا بہتر لگتا تھا۔

وقت گذرتا گیا، علامہ صدیق کشمیری کی وفات ہو گئی، جنازے میں بھی شرکت کی، پھر حضرت ناظم صاحب کی رحلت ہوئی، حضرت شیخ الحدیث مدینۃ الرسول ہجرت کر گئے اور علم حدیث کی خدمت مولانا یونس صاحب کے سپرد کر دی، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب بھی تدریس کے ساتھ حدیث کی تشریح و تفسیر میں مشغول رہے۔ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب تدریس ترمذی کے علاوہ مظاہر علوم کے انتظامی امور کی نگرانی کرتے رہے۔

حضرت مولانا محمد یونس صاحب بخاری شریف کی تدریس اور علوم حدیث کے مطالعہ میں مزید منہمک ہو گئے، دور دور تک ان کے شاگرد بھی پہنچے اور فیضانِ علم کو عام کرتے رہے، حضرت مولانا مطالعہ، تحقیق اور تدریس سے ہی متعلق رہے۔ تحریر و تالیف سے لگن نہیں رکھی، اس لیے حدیث پر باضابطہ خود کوئی تصنیف نہیں فرمائی، مگر طلبہ میں چند ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ان کے افادات کو قلمبند کیا اور ان کو شائع کیا جیسے ”الیواقیت الغالیہ“ یا سوالوں پر مشتمل کچھ علمی جوابات، حدیث کی تصحیح و تضعیف پر کلام اور بخاری شریف کی احادیث کی سند پر کچھ تحریریں۔ ابھی ضرورت ہے کہ ان قیمتی افادات اور تحقیق کو مرتب کر کے شائع کیا جائے اور ممکن ہو تو ان کے خصوصی مطالعہ کے حاصل مباحث یا

کلام کو عربی زبان میں بھی منتقل کیا جائے تاکہ عرب علماء میں بھی ان کی علمی صلاحیتوں اور احادیث سے متعلق خدمات کا فیضان پہنچے اور عرب دنیا میں ہندوستانی محدثین کرام کی عظمتوں کا تعارف ہو اور تاریخ میں ثبت ہو جائے۔

یہاں یہ ذکر بیجا نہ ہوگا کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب پچاس سالوں سے زائد علم حدیث کی تدریس میں مشغول رہے، اوقاتِ درس کے علاوہ ان کا شغف علوم الحدیث اور ان کی متعلقہ کتابوں کے مطالعے اور تحقیق سے تھا، انہوں نے متقدمین محدثین کی کتابیں بھی چھان ڈالیں اور متاخرین اصحاب حدیث کی تالیفات پر نظر ڈالی، اسماء الرجال کی کتابوں، الجرح والتعديل کے ائمہ کی آراء اور ان کے کلام سے مکمل استفادہ کیا، اس لیے وہ صحاح ستہ میں مروی احادیث کی صحت اور ضعف پر اپنی ذاتی رائے دینے کا حق رکھتے تھے اور بہت سے مسائل میں انہوں نے منقول دلائل کی بنیاد پر اپنی رائے پیش کی اور ان پر عمل پیرا بھی رہے، اصلاً وہ حنفی المسلک تھے، مگر عام محدثین کے طریق پر بعض فقہی مسائل میں جداگانہ رائے کے قائل تھے، اور بعض عرب تلامذہ کے سامنے تو انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ میں ان مسائل میں کسی کی تقلید نہیں کرتا، اپنے اساتذہ اور شیوخ کی اور نہ کسی اور کی۔

راقم الحروف کی بعض اصحاب علم سے ملاقاتوں پر یہ شکایت بھی سنی گئی کہ حضرت مولانا درس میں یا بیان میں فقہی مسائل کے سلسلے میں حنفی مسلک کے خلاف بھی بولتے ہیں اور دس پندرہ سال قبل چند علمائے دیوبند و مظاہر علوم ارباب مظاہر کے پاس انفرادی اور اجتماعی طور پر یہی شکایت لے کر بھی گئے، انہوں نے تو یہ بھی کہا کہ مولانا شاید

غیر مقلد ہو گئے ہیں۔ مگر ان حضرات کو شاید حضرت شیخ الحدیث کی علمی مہارت، علوم حدیث پر مکمل قدرت اور محدثین عظام کے طرز عمل کا پوری طرح عمل ہی نہیں تھا۔

حقیقت میں حضرت شیخ یونس علیہ الرحمہ پندرہویں صدی ہجری کے عظیم محدث تھے اور علم حدیث کے بحر ذار میں غوطہ زن، وہ فروعی مسائل میں متاخرین کی رائے یا مسلک کے پابند ہو بھی نہیں سکتے تھے، فقہی مسائل میں اپنی حتمی رائے کیلئے احادیث کے مجموعوں میں دلائل کا انبار تلاش کر لیتے، اور ان کی روشنی میں ہی فقہی رائے بھی رکھتے جو ان جیسے بحر العلوم کے لیے روا بھی تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کی رحلت
برائے نام بھی محفل میں روشنی نہ رہی

مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری

مدیر تحریر ماہنامہ صدائے حق و استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۱۶ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ کو تعلیم و تربیت کی شہرہ آفاق مرکزی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ کے حادثہ رحلت نے عالم اسلام کو عموماً اور برصغیر کے دینی و علمی حلقوں کو خصوصاً جس طرح سوگوار چھوڑا ہے اس کی کسک دیر اور دور تک محسوس کی جاتی رہے گی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس دور قحط الرجال میں جب کہ علم و فضل کی سلطنتیں زوال پذیر ہیں اور قلم و کتاب کا بھرم جن بسا غنیمت با فیض شخصیات کے وجود سے قائم ہے اس حال میں سوئے آخرت رواں دواں ہیں کہ ان کی جگہ لینے والا کوئی فرد فرید و دور دور تک نظر نہیں آتا، رواں سال کے ماہ وایام پر ہی نظر ڈال لیجئے کہ آسمانِ علم کے کیسے کیسے نجوم و کواکب ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئے جبکہ یہ وہ آفتاب و ماہتاب تھے جن کی ضوفشانی سے ایک جہان روشن تھا، انسانی عظمت و شرافت کے یہ وہ سنہرے کردار تھے، جو اگرچہ پس مرگ بھی درخشاں ہی رہیں گے مگر ان کے وجود باوجود سے تو ہم سدا کیلئے محروم ہی ہو گئے ہیں۔ ان یارانِ فضل و کمال کی فہرست یوں تو خاصی طویل ہو گئی ہے لیکن اگر بہت اختصار سے کام لیں تو استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق اعظمیؒ، شارح بخاری حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مرتب ایضاح البخاری حضرت مولانا ریاست علی بجنوری اور جامع

منقول و معقول حضرت مولانا نسیم احمد غازی کو سرفہرست ہی شمار کیا جائے گا۔

افسوس کہ شیخ مولانا محمد یونس کی وفات حسرت آیات نے تو محرومیوں کے اس سلسلہ کو دراز سے دراز تر کر دیا ہے، محدث باکمال حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ ان زمانہ ساز ہستیوں میں سے تھے جن کے دم فیض سے ایک جہان آباد رہتا ہے، خلق خدا ان سے استفادہ کرتی ہے تو بزم یقین ان کی حرارت ایمانی سے گرم رہتی ہے، مصدر فیاض نے مولانا مرحوم میں ایسے کمالات رکھ چھوڑے تھے کہ ان کی ساری زندگی میراثِ علم کی حفاظت و تقسیم کیلئے ہی وقف ہو کر رہ گئی تھی، انہوں نے اپنی حیات عزیز کی اسی سے زائد بہاریں دیکھیں مگر ان کی ہر صبح و شام علم حدیث کے حلقے سجانے میں صرف ہوئی۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی

میں اسی لئے مسلمان میں اسی لئے نمازی

ان کے حال و قال کو دیکھ کر لگتا تھا کہ انسانی انجمنوں کا یہ فرشتہ صفت آدمی صرف رب کائنات کی خوشنودی پانے کیلئے ہی اس قدر بے چین رہتا ہے، اللہ جل و علانے علم حدیث کے اس خادم کو اپنی خاص نعمتوں سے بہرہ ور کیا تھا، ان کے اندر کمالِ استغناء، زہد و قناعت، صبر و استقامت اور توکل و تبتل کی نرالی شان ہویدا تھی، مسند درس حدیث پر براجمان ہوتے تو عسقلانی، قسطلانی اور کرمانی کی یادیں تازہ کر دیتے، حفظ و اتقان میں بھی اللہ نے انہیں طاق بنایا تھا، اسی لئے آپ کے مرشد و باکمال استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو جب اپنے بعض تصنیفی کاموں کیلئے ایک علمی مشیر اور رجل رشید کی ضرورت درپیش ہوئی تو آپ کے محسن و مربی اور شفیق استاذ فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر

حسین علیہ الرحمہ سابق ناظم مظاہر علوم نے مولانا محمد یونسؒ کا نام نامی اس وقیع خدمت کیلئے موزوں قرار دیا، پھر دنیا نے دیکھا کہ مولانا مرحوم اس اہم کام کیلئے کس قدر مفید ثابت ہوئے کہ خود برکتہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے اپنی گراں بہا تصنیف میں نہ صرف ان پر اعتماد فرمایا ہے بلکہ ان کی آراء بھی نقل فرمائی ہیں، حضرت مولانا محمد یونسؒ کی یہ خوش بختی بھی قابل ذکر ہے کہ انہیں ایسے باکمال اور روشن ضمیر اساتذہ ملے جو علم و عمل اور شریعت و طریقت کے حسین سنگم تھے، چنانچہ آپ کے اساتذہ ذی شان میں حضرت مولانا عبدالحلیم جونپوریؒ، حضرت مولانا ضیاء الحق، حضرت مولانا میر احمد کاندھلویؒ، حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رامپوریؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں، جبکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین اجڑوی تو آپ کے صرف استاذ ہی نہیں بلکہ آپ کی علمی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرنے والے تھے، اسی لئے اگر جامعہ مظاہر علوم میں برائے تدریس آپ کا تقرر حضرت مفتی صاحب مرحوم کا دور رس فیصلہ تھا تو شیخ الحدیث جیسے باوقار منصب پر جلوہ افروزی حضرت شیخ محمد زکریا قدس سرہ کا حسن انتخاب تھا، مؤخر الذکر ان دونوں بزرگوں نے شیخ مولانا محمد یونسؒ کے ظاہر و باطن پر جو گہرے نقوش چھوڑے تھے ان کے اخلاص و برکت نے مولانا کے اندرون میں کمالات کے موتی ٹانک دئے تھے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات والی کہاوت بھی آپ پر خوب صادق آتی ہے، چنانچہ ابتداء ہی حضرت شیخ زکریاؒ کو اپنے اس چہیتے شاگرد کے اندر آثارِ فیروز مندی نظر آنے لگے تھے، ان کا یہ وجدان قلبی تھا کہ شیخ مولانا یونسؒ کو قادر مطلق کی توفیق سے علم

حدیث کی طویل زمانی خدمت کا موقع فراہم ہوگا اور وہ اپنے زمانہ کے امیر المؤمنین فی الحدیث کہلائیں گے، چنانچہ اپنے ایک تاریخی اور یادگار خط میں جو انہوں نے شیخ مولانا یونسؒ کے نام ۲۳ رجب ۱۳۸۷ھ کو ارقام فرمایا ہے لکھتے ہیں:

”ابھی تدریس دورہ کا پہلا سال ہے اور اس سیہ کار کو تدریس دورہ کا اکتالیس واں سال ہے اور تدریس حدیث کا سینتالیس واں سال ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت دے اور مبارک مشغلوں میں تادیر رکھے، جب سینتالیس پر پہنچ جاؤ گے تو ان شاء اللہ مجھ سے آگے ہوؤ گے (اس پرچے کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں اور چالیس سال بعد پڑھیں)۔“

کسی نے سچ ہی کہا ہے قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، شیخ نے ازراہ دعا و تمنا مولانا محمد یونس صاحب کے آئندہ پچاس سالہ تدریسی سفر کا جو عندیہ دیا تھا وہ حرف بحرف ثابت ہوا، کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ نے اس شان سے درس حدیث دیا کہ بخارا و سمرقند کی یادیں تازہ ہو گئیں اور شمع حدیث کے پروانے دیوانہ وار آپ کے ارد گرد جمع رہتے، چنانچہ نہ صرف ہندو پاک بنگلہ دیش کے طلبہ نے آپ سے اکتساب فیض کیا، بلکہ افریقہ امریکا اور یورپی ممالک کے علاوہ شام و مصر اور خلیجی ریاستوں کے بے شمار جویان علم نے آپ کے دامن فیض سے استفادہ کیا، بلا دعب کے نام و راستہ حدیث تو آپ کے سامنے زانوئے تلمذ کو سعادت سے تعبیر کرتے تھے، حضرت مرحوم جس حجرہ میں مقیم تھے وہ نہ صرف طالبین و سالکین کا مرکز تھا بلکہ علم کا ایسا سدا بہار چمنستان تھا جہاں کتابوں کی شکل میں انواع و اقسام کے پھول مسکراتے رہتے

تھے، دارالحدیث کے علاوہ حضرت شیخ کا یہی دارالمطالعہ تھا اور یہیں قیام و قعود کا پاکیزہ عمل بھی، شیخ کی تمام تردیجیوں کا واحد مرکز بس کتب بینی ہی رہا، کسی شاعر نے آپ کو دیکھ کر ہی کہا ہوگا

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا

میں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

اسی لئے چشم فلک نے بھی دیکھا کہ شیخ نے ہزاروں نادر و نایاب کتابوں سے پڑے اپنے اسی حجرہ میں بالآخر جانِ جانِ آفریں کے حوالہ کردی، تغمذہ اللہ بغفرانہ و ادخلہ فسیح جناتہ۔

آخر کون جانتا تھا کہ شیراز ہند کہلانے والے جون پور یوپی کے کھیتا سرائے مضافات میں ۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ایک معمولی گھرانے میں جنم لینے والا یہ خوش نصیب بچہ آسمان علم پر آفتاب بن کے چمکے گا، جس کے فضل و کمال کا شہرہ دنیا بھر کے ملکوں میں پھیل جائے گا، بلکہ قلم و کتاب کے رسیا اور دھنی اسے سروں پر بٹھائیں گے، اس کے نخرے برداشت کریں گے، اللہ کے لئے اس سے محبت کا رشتہ قائم کریں گے جس کے جلو میں سکونِ قلب و نظر ہی میسر آئے گا، مگر وہ دنیا سے اس طرح گریزاں رہے گا کہ زمانہ میں اس کے استغناء و قلندری کی مثال دی جائے گی، آج اس کی رحلت پذیر ی پر ہر کوئی ماتم کناں ہے، مظاہر علوم کے دیوار و در، اس کے مکین و مکاں کس کرب سے دوچار ہو رہے ہوں گے، اس کا ادراک تو ہر دانا و بینا کر ہی رہا ہوگا خود جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ بھی غم کی تصویر بن گیا جس کے ارباب

تدریس و تنظیم سے حضرت شیخ کو بایں معنی تعلق خاطر تھا کہ آپ کے ارشد تلامذہ بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا وسیم احمد سنسار پوری کے ذریعہ آپ ہی کی ودیعت کردہ امانت (علم حدیث) طلبہ حدیث کے سینوں میں منتقل کرنے میں بفضل اللہ نہ صرف نیک نام ہیں بلکہ آپ کے خوابوں اور امیدوں کی تعبیر بھی فراہم کر رہے ہیں دراصل جملہ معترضہ کے طور پر ہی سہی یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ شیخ یہاں کی تعلیم و تربیت اور حسن انتظام سے بڑے مطمئن رہا کرتے تھے، بعض مرتبہ اپنی مجالس میں فرماتے کہ دارالعلوم، مظاہر علوم کے بعد اگر دورہ حدیث پڑھنا ہو تو گنگوہ اس کیلئے مناسب جگہ ہے، کبھی فرماتے بچو! اگر درس حدیث پڑھنا ہو تو گنگوہ جا کر مولوی وسیم احمد سے پڑھ لینا۔

جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا کجامعہ میں آپ کا حادثہ رحلت غیر معمولی شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا، جامعہ کے روح رواں اور آپ کے عقیدت کیش حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی نے مشہور محدث حضرت امام شعبہؒ کے انتقال پر ان کے ایک معاصر کا یہ تاریخی تعزیتی جملہ مات الحدیث بموت شعبة استعار لیتے ہوئے فرمایا کہ آج یہ جملہ حضرت مولانا محمد یونسؒ کی رحلت پر بار بار دل کورلا رہا ہے، واقعی حضرت شیخ کے انتقال سے حدیث کے غلغلوں سے آباد و شاداب ایک بزم سونی ہوگئی ہے کہ اب کوئی دوسرا شیخ یونس آسانی سے پیدا نہ ہوگا، اللہ ان کی مغفرت کاملہ فرمائے آمین۔

حضرت مولانا کی کن کن خوبیوں کو قرطاس کے سینہ پر سجایا جائے ان کے چہرے بشرے پر انوار حدیث نمایاں نظر آتے تھے، عشق الہی اور محبت رسول سے وہ ہر آن مغلوب دکھائی پڑتے تھے، اسی لئے واردین و زائرین کو بطور نصیحت تلاوت قرآن کی کثرت اور درود شریف کی تسبیحات پر بہت ارتکاز فرماتے تھے، کوئی انہیں دیکھے تو اللہ یاد آتا آخرت کا

استحضار بڑھ جاتا اور اپنے اندرون کو ٹٹولنے کی بھی ترغیب ملتی تھی، حضرت کی مجالس میں حاضری کے تو کئی مواقع ملے لیکن دو تین بار کی ملاقات ہمیشہ ذہن پر نقش رہے گی، ابھی دو سال قبل ۲۰۱۵ء دسمبر کے اوسط عشرہ میں ملک کی خفیہ ایجنسیوں کو اس ناچیز کی طرف سے گمراہ کیا گیا تو انجام کار بندہ کو ایک ہفتہ کیلئے باعزت تحویل و تفتیش کے مرحلہ سے گزرنا پڑا دارورسن کا یہ سلسلہ دراز ہو سکتا تھا مگر نصرت الہی قدم بوس رہی اور سچائی کا ہی بول بالا ہوا کہ جلد ہی رہائی نصیب ہوگئی، بہر حال یہ تفصیلی داستان پھر کسی وقت قلم بند کرونگا۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستان میری

خیر اس حادثہ نامرضیہ کے بعد جب جامعہ مظاہر علوم کے سابق استاذ مولانا مفتی محمد رضوان میرٹھی کی تحریک و معیت میں شیخ کی عدالت میں پیشی ہوئی مفتی رضوان کی حضرت شیخ سے خاصی بے تکلفی و انسیت تھی تو اولاً ہی میرے بارے میں پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے مختصر تعارف کے ساتھ ہی مذکورہ واقعہ بھی ذکر کر دیا یہ سنتے ہی شیخ مکمل متوجہ ہو گئے تا سَف بھرے لہجہ میں گویا ہوئے کہ انہوں نے کوئی تکلیف تو نہیں دی، پھر ساری تفصیل سن کر فرمایا ایسا لگتا ہے ہم لوگ مکی دور سے گذر رہے ہیں، بچوں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بعد ازاں شیخ نے اپنے ذوق کے مطابق بعض کبار محدثین کا تذکرہ چھیڑ دیا اور خاص کیفیات کے ساتھ ان کے دلچسپ واقعات سنائے۔

ایک دوسری مجلس میں بندہ نے کویت میں مقیم ممتاز عالم دین شیخ بدر الحسن القاسمی سابق مدیر الداعی دارالعلوم دیوبند اور آپ کے قلم سے شیخ کی تحسین و توصیف پر مبنی ایک تحریر کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ ہاں میری ان سے دید شنید ہے، لیکن انہوں نے میرے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا حسن ظن ہے اس کے بعد کہنے لگے کہ میں تو

اللہ سے بس فضل کی دعا کرتا ہوں اب یہ یقین ہو چلا ہے کہ اسی سے بیڑہ پار ہوگا۔

ایک موقع پر جبکہ طبیعت میں کافی انشراح تھا فرمانے لگے بھائی ہم کسی زیادہ پڑھے لکھے گھر کے تو تھے نہیں اور کوئی نسبت بھی نہیں تھی جو کچھ کام آتی بس پڑھنے کیلئے آگئے تھے، اللہ غریقِ رحمت کرے حضرت مفتی مظفر حسین مرحوم کو وہ بڑے محسن تھے میرے، پھر اپنا ایک واقعہ سناتے ہوئے بولے کہ ایک بار گھر سے پندرہ یا بیس روپیہ کا منی آرڈر فارم آیا تو میں نے مفتی مظفر حسینؒ سے اس کا ذکر کر دیا انہوں نے فرمایا کہ ان پیسوں سے تو مشکوٰۃ خرید لے میں نے ایسا ہی کیا جب میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو متفق علیہ وغیرہ اصطلاحات پر نظر پڑی میں سوچنے لگا کیا ہے اس کا مطلب؟ بچوں! اس طرح بہت سی باتیں سامنے آتیں تو میں جواب تلاش کرتا، اس طرح علمِ حدیث سے مناسبت ہونے لگی، پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور حضرت مفتی مظفر حسین علیہ الرحمہ کے تعلق سے اظہارِ ممنونیت فرمانے لگے، آہ! کیا پتہ تھا کہ حضرت شیخ سے یہ آخری ملاقات ہو رہی ہے اے کاش معلوم ہوتا تو کچھ اور لمحات اس بخاری زماں کی مجلس میں گزار دیتے۔

بہت لگتا تھا دلِ صحبت میں ان کی کہ اپنی ذات میں وہ ایک انجمن تھے

بارِ الہ امام بخاری و مسلم کے اس سچے جانشین اور عاشقِ حدیث

رسول ﷺ کی بال بال مغفرت فرما اور انہیں بہشت بریں کی غیر محدود نعمتوں سے مالا مال فرما آمین۔

(بہ شکر یہ ماہنامہ صدائے حق گنگوہہ بابتہ ماہ جولائی، اگست ۲۰۱۷ء)

نہیں منت کشِ تاب شنیدن داستاں میری

مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری

مدیر تحریر ماہنامہ آئینہ مظاہر و استاذ ہر علوم وقف سہارنپور

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جوہپوریؒ..... فنِ حدیث میں چمکتا دمکتا..... رخشندہ و درفشندہ نام.....! علوم و اعمال کا وہ کوہِ ہمالہ..... جس کی بلندی دیکھنے میں ٹوپیاں گرنے اور جس کی پیمائش میں پیمانے ٹوٹنے لگیں..... فقہ و حدیث کی دنیا کا وہ عظیم شہسوار..... جنہوں نے اپنی شناوری سے وہ وہ یواقت و جواہر نکال لئے..... جو رہتی دنیا تک اس فن سے شغف رکھنے والوں کے لئے مفید و کارآمد ثابت ہوں گے۔

بہتوں نے لکھا اور بہت سے لکھ رہے ہیں..... کہ..... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس غریب گھرانے کے چشم و چراغ تھے..... پسماندگی اور ناخواندگی کی ان کے گھر میں حکمرانی تھی..... حالانکہ..... ایسا نہیں ہے..... ان کے والد ماجد محترم شبیر احمد..... عصری تعلیم یافتہ..... بہترین انگریزی داں..... ایک ملک میں ایک بڑی کمپنی میں بڑے عہدے پر فائز..... اس سروس کی وجہ سے آپ کے گھریلو حالات خوش حالی اور فارغ البالی کا نمونہ..... لیکن..... افسوس.....! براہِ بدخواہوں کا..... منہ کالا ہو بری نظر والوں کا..... عبرت ناک انجام ہو دوسروں کو تکلیف دینے والوں کا..... روسیہ ہوں ایسے لوگ دنیا میں..... اور..... رسوا ہوں عقبی میں..... کسی بدخواہ نے اتنا شدید سحر آپ کے والد ماجد پر کیا کہ ایک دو سال نہیں پورے نو دس سال تک اسی

حالت سحر میں صاحب فراش رہے..... اس مرض وعلالت کی وجہ سے نوکری ختم ہوگئی..... آمدنی کے ذرائع ہوئے پھر بالکل ہی مسدود ہو گئے..... شیخ الحدیث اور ان کے ایک چھوٹے بھائی ابھی بچے تھے..... بہت جلد یہ مکتب و مدرسہ میں جانے کے لائق ہو رہے تھے..... اور..... ادھر ان کے گھریلو حالات اور روزمرہ کے خانگی اخراجات اس کے متحمل نہیں تھے..... نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی آپ اپنی نانی کے یہاں پرورش پاتے ہیں..... تو کبھی ماموں جان کے ساتھ ان کی پشت پر لد کر اور کندھوں پر سوار ہو کر مکتب جاتے نظر آتے ہیں..... ماں کا سہارا اُس وقت ہی جدا ہو گیا تھا جب آپ کو ماں کی جدائی کی سنگینی کا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا..... ہوش میں پختگی آتی گئی..... اور..... ادھر گھریلو حالات بگڑتے گئے..... اور پھر یہ ہوا کہ مکتب سے آتے تو کبھی گھر کی بھینسیں چراگا ہوں میں چراتے، کبھی ان کے چارے کا نظم کرتے..... گھاس کھودتے گو برا اور طویلہ کی صفائی کرتے وقت ہونے پر بھاگم بھاگ مدرسہ جاتے..... مدرسہ بھی ضیاء العلوم جو مانی کلاں میں واقع ہے..... مانی کلاں چوکیہ سے پورے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے..... تصور کیجئے پیدل کا راستہ..... سڑکیں آج بھی ناقابل بیان حد تک خستہ ہیں..... اُس وقت کیا عالم رہا ہوگا.....؟ عمر عزیز کی بارہویں یا تیرہویں سیڑھی پر بمشکل پہنچے ہوں گے کہ ایک نئی پریشانی نے پریشان کر دیا..... آپ کے پیٹ کے زیریں حصہ میں درد شروع ہو گیا جو بڑھتا رہا..... شیخ صاحب اس درد کی وجہ سے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے..... راقم الحروف سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جوہپوری کے مظاہر علوم کے دورہ حدیث کے رفیق اور مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں کے موجودہ ذمہ

دار حضرت مولانا عبد العلی مدظلہ نے مانی کلاں کے مدرسہ ضیاء العلوم میں بیان کیا کہ مولانا یونس یہاں ضیاء العلوم میں پڑھتے تھے..... گھر والوں کی مرضی کے بغیر آپ نے پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا..... اس لئے یہیں پڑھتے اور پھر یہیں پڑ جاتے..... قیام مدرسہ میں رہتا..... کھانا حضرت مولانا ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وساطت سے کسی گھر میں جاری کر دیا تھا..... جب بیماری نے طول پکڑا تو مولانا نے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ! مگر شیخ محمد یونس گھر جانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوئے..... کیونکہ انھیں اسباق میں ناغہ بالکل منظور نہ تھا..... تمام طلبہ رات کو اپنے اپنے بستر پر لیٹ جاتے اور مولانا یہاں صحن میں درد کی شدت سے گویا لوٹ جاتے..... روتے رہتے..... پوری پوری رات روتے رہتے..... پھر حضرت مولانا ضیاء الحق نے مولانا کو ڈاکٹروں کو دکھایا..... ڈاکٹروں نے مثانہ میں پتھری بتائی..... سوائے آپریشن کوئی متبادل علاج نہیں تھا..... ادھر مولانا ضیاء الحق خود نہایت غریب..... مختلف غریب بچوں خاص کر مولانا شیخ محمد یونس کی حتی المقدور کفالت کے باعث عسرت میں ہی رہتے تھے..... پھر بھی جیسے تیسے شیخ محمد یونس کا آپریشن کروایا اور سو گرام سے بڑا پتھر بذریعہ آپریشن نکالا گیا..... شیخ کو سکون مل گیا..... تعلیم جاری رکھی اور جب مولانا ضیاء الحق کی گنجائش سے باہر ہو گیا تو انتہائی تعلیم کے لئے تین ساتھیوں کو مظاہر علوم بھیجا، وہاں بھی بڑی تنگی کے ساتھ تعلیم پاتے رہے..... بقرہ عید کا موقع آیا..... عید کی خوشی میں تمام طلبہ سرشار تھے..... مگر مولانا محمد یونس پریشان کیونکہ ان کے پاس کرایہ کے پیسے نہیں تھے..... حالانکہ اس وقت بمشکل ڈیڑھ روپے کرایہ تھا..... ہم لوگوں نے مولانا یونس سے کہا کہ اگر طبیعت چاہتی

ہو تو ہمارے ساتھ چلو..... کرایہ کسی سے اُدھار لے لیتے ہیں مگر وہ اُدھار لینے پر بالکل تیار نہیں ہوئے..... تو ہم لوگ انھیں مدرسہ میں چھوڑ کر ریلوے اسٹیشن پیدل پہنچے..... گاڑی میں سوار ہوئے ہی تھے کہ دیکھا مولانا محمد یونس افسردہ چہرے..... اور..... بجھے دل کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر نظر آئے..... ہم نے پھر کہا کہ جب تمہیں جانا نہیں ہے..... تو یہاں کیوں آئے..... ہو؟ ان کی خاموش حالت اور ظاہری و باطنی کیفیت دیکھ کر ہمیں بڑی تکلیف پہنچی کیونکہ ایک طرف تو وطن جانے کی خوشی، قربانی کی تعطیل، کم عمری و نوعمری دوسری طرف کرایہ نہ ہونے کا غم..... غربت کا عالم..... ہم لوگ ریل سے اتر کر پھر مدرسہ آ گئے..... کسی نے حضرت مفتی مظفر حسینؒ کو خبر کر دی کہ محمد یونس جو پوری غریب ہے اور کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے گھر نہیں جا رہا ہے..... تو مفتی صاحبؒ نے مولانا یونس صاحب کو بلوایا، حقیقت معلوم کی..... اور پھر مفتی صاحب نے اپنی سرپرستی اور کفالت میں مولانا محمد یونس کو لے لیا..... اس زمانے میں مفتی صاحب بھی کوئی اتنے مالدار نہیں تھے لیکن عیالدار بھی نہیں تھے..... نہ بیٹا، نہ بیٹی..... لا ولد..... انہوں نے بالکل اپنے بیٹے کی طرح مولانا محمد یونس کے ناز و نخرے اٹھائے ہیں..... بچے کی طرح خیال رکھا ہے..... روپے پیسے میں..... چیزوں..... برتنوں..... بستروں..... چادروں حتیٰ کہ تمام فرمائشیں مفتی صاحبؒ اس طرح پوری فرماتے تھے جیسے اپنے بیٹے کی۔

حضرت مولانا عبد العلی مدظلہ نے (اللہ انھیں صحت و سلامتی عطا فرمائے) ضعف، نقاہت، پیرانہ سالی، امراض و اسقام اور مختلف عوارضات کے باوجود ایسی

حیرت انگیز باتیں بتائیں اور لکھوائی ہیں جن کو ”صدائے حق“ کے ان محدود صفحات میں لکھنا اور سیٹنا مشکل ہے ایک لمبی داستان ہے..... گھریلو حالات کی طویل کہانی ہے..... اور خورد و کلاں کے ان تمام بیانات سے آگہی کے لئے طویل تحریر ناگزیر ہے..... البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ احسان فراموشی کے اس دور میں ”ہل جزاء الاحسان الا الاحسان“ کی تصویر بنے رہے، ایک ایک محسن کو یاد رکھا، ان کے لئے صدقات دینے کا معمول بنایا، خود حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے تو گویا عاشق و دلگیر تھے، کوئی مجلس ان کے ذکر سے خالی نہ ہوتی تھی، بات بات میں ان کا ذکر کرتے، احسانات گناتے، دعائیں کرتے، ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کرتے اور کوشش کرتے کہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر کے ان کی خوب خوب دعائیں سمیٹی جائیں چنانچہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ ہی کا زمین سے متعلق کوئی مسئلہ تھا، حضرت شیخؒ نے اپنے بے تکلف رفیق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ سے فرمایا کہ ممکن ہے زمین کے اس معاملہ میں مولانا ضیاء الحقؒ پر ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق پر نہ ہوں اور اسی حال میں دنیا سے چلے گئے ہوں؟ تو آدھے پیسے تولائے گا اور آدھے کا نظم میں کروں گا، چنانچہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے رفیق کو ان کے مطالبہ کے مطابق تمام رقم حضرت شیخؒ نے اپنی طرف سے ادا فرمائی۔

حضرت مولانا برہی ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے، میونسپلٹی والوں نے بجلی کا ایک کھمبا حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے گھر سے متصل کسی ایسی جگہ گاڑ دیا جس سے کسی

ناگہانی خطرہ و واندیشہ تھا، مولانا نے اپنے طور پر اس کھمبے کو وہاں سے ہٹوانے کی کوشش کر لی مگر کھمبانہ ہٹا (اور سرکاری کھمبانے کے بعد ہٹوانا بہت مشکل ہوتا ہے) حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع اپنے تلمیذ رشید تک پہنچائی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ نے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال فرمایا اور جذبات میں یہاں تک فرمادیا کہ ”وہ کھمبا ہر حال میں ان شاء اللہ وہاں سے ہٹوانا ہے“ چنانچہ الحمد للہ حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کی خواہش اور شیخ الحدیث کی کوشش پوری ہوئی۔

احسان کا بدلہ احسان کا ایک اور نمونہ بتاتا چلوں، ان ہی حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کا جو گھر ”برہی“ میں تھا وہ پرانا، کچا اور بوسیدہ تھا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ کی خواہش تھی کہ ان کے سب سے پہلے مربی اور محسن کا گھر ان کی شایان شان ہو، چنانچہ ان کے قدیم گھر کی تجدید و توسیع خود حضرت شیخ الحدیث نے کرائی۔

کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ اپنے بارے میں فرماتے ”یہ ضیاء کی ضیاء ہے“، یعنی حضرت مولانا محمد یونسؒ کی عند الناس محبوبیت اور عند اللہ مقبولیت کو اپنے استاذ گرامی قدر کی طرف ہی مبذول کرتے تھے اور فرماتے کہ مجھ پر جتنے احسانات حضرت مولانا ضیاء الحقؒ کے ہیں اتنے کسی کے نہیں۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے بارے میں بھی ان کے بے شمار دعائیہ جملہ، تاثرات اور مثبت خیالات ہیں جن کو اگر لکھا جائے تو شاید ان سطور کی ضخامت بڑھ جائے اس لئے اس کے لئے پھر کسی نئی بزم اور انجمن میں پیش کرنے کی ان شاء اللہ سعادت حاصل کروں گا۔

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ ناظم مظاہر علوم سہارنپور اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور ان دونوں حضرات کے لائق فخر تلمیذ حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ کے بھی بے شمار احسانات اور انعامات آپ سے وابستہ ہیں جن کے بیان کے لئے خاص وقت اور اچھے خاصے صفحات درکار ہیں۔

مقصود اس تمہید کا یہ ہے کہ ان اکابر اہل اللہ نے اجتماعی کوشش سے جس پتھر کو تراشا تھا وہ پتھر کوئی عام معمولی پتھر نہ تھا بلکہ ہر موتی سے زیادہ قیمتی، ہر ہیرے سے زیادہ چمکدار اور ہر جوہر گوہر سے زیادہ اہمیت کا حامل بن گیا، جس نے اپنی خدا داد فہم و فراست اور نور بصیرت اور عرفان بصارت سے حدیث شریف کے باب میں وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جو بہتوں کے لئے لائق رشک ہے۔

بقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈو و مدظلہ:

”ان کی پوری زندگی کتاب و سنت اور حدیث نبوی کی خدمت میں گزری، زمانہ طالب علمی ہی سے جفاکشی اور اساتذہ و اکابر کی محبت و اطاعت اور وفا شعارانہ ان کا شعار رہا، طلب علم کے باب میں ان کی محنت و لگن قابل رشک تھی، وہ اسلاف کے سچے پیروکار، اکابر کی یادگار، زہد و قناعت کے پیکر، طلبہ و علماء کے لئے ایک نمونہ اور علم و تحقیق کے میدان میں ممتاز تھے۔“

حدیث ان کا مزاج اور بخاری شریف ان کا دستور حیات بن چکی تھی، بلکہ امام بخاریؒ کے تو گویا گرویدہ اور عاشق زار تھے اور کبھی کبھی وجد میں فرماتے تھے کہ ”اگر آج امام بخاریؒ آجائیں تو ہم ان کے دامن سے لپٹ جائیں اور ان

سے کہیں کہ ہمیں اپنا مرید بنالیں، ہمیں اپنا شاگرد بنالیں“

محترم حضرت مفتی شبیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم بری، یو۔ کے بیان فرماتے ہیں کہ:

”امام بخاری سے ان کو عشق تھا، ایک صاحب سے تو فرمایا کہ تم امام بخاریؒ کی طرف سے صدقہ کیا کرو، خود جب بیمار ہوتے تو طلبہ سے روزے رکھواتے اور پھر ان طلبہ کے افطار اور عشاءِ کا بھی اہتمام فرماتے“

حضرت امام بخاریؒ کا جب بھی نام لیتے تو ہمیشہ اُن کے وقار و عظمت اور جاہ و جلال کا لحاظ رکھتے ہوئے رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے ”رضی اللہ عنہ“ کہتے تھے اس ان کا جو ذہنی تعلق اور توافقی حضرت امام بخاریؒ سے ہے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی ذہنی توافقی اور امام بخاریؒ سے عقیدت و محبت کو کچھ نہیں سمجھ سکے اور اپنی طرف سے طرح طرح کی باتیں گردش کرنے لگیں، حضرت مفتی شبیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم بری، یو۔ کے کارشادگرا می ہے کہ:

”لوگ کہتے ہیں کہ حضرت نے احناف کے خلاف یہ بات کہی، بھائی! جب حضرت علیہ الرحمۃ امام بخاریؒ کی کتاب پڑھائیں گے تو امام بخاریؒ ہی کی زبان سے بولیں گے؟ یا کسی اور کی زبان سے بولیں گے؟“ (حضرت مفتی شبیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم بری، یو۔ کے)

مولانا عبدالرحیم لمباڈا کہتے ہیں:

”مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ حضرت کو کوئی سلفی کا لقب دیتا ہے تو کوئی

غیر مقلد کا، دراصل لوگوں نے حضرت کو پہچانا ہی نہیں، چونکہ حضرت کا علمی مقام ایسا تھا کہ اس میں بعض دفعہ تفردات ہو جاتے تھے ورنہ حضرت تو بہت پابند تھے، انتہائی درجہ کے متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور سب مذاہب کی رعایت کرتے تھے، وضو بھی سارے مذاہب کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے، نماز بھی سارے مذاہب کی رعایت کر کے پڑھتے تھے“ (بہار نبوت: ص ۸۱)

حدیث نبوی سے بھی حضرت شیخ الحدیث کو خصوصی مناسبت ہو گئی تھی، جس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے:

”حضرت ایک مرتبہ سنانے لگے کہ مجھے پہلے رسول پاک کی خواب میں زیارت ہوتی تھی، ایک سال میں کئی بار ہو جاتی تھی، ایک بار میری زبان سے کوئی جملہ نکل گیا، تو وہ زیارت بند ہو گئی پھر کافی عرصہ کے بعد میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ: میں حدیث شریف پڑھا رہا ہوں، میں نے طلبہ کو کوئی حدیث شریف کی کوئی بات بتائی جو ان کی سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے طلبہ کو اپنے پیچھے غار حراء کی طرف اشارہ کیا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں کھڑے تھے، میں نے طلبہ سے کہا کہ میری بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو انھیں سے پوچھ لو“ حضرت شیخ نے یہ خواب ارشاد فرمایا اور کہا کہ ”اس سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے فہم حدیث کو کھولا ہے، کسی کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے“ (ایضاً)

ان کو ان کے مسلک سے ہٹا کر کسی اور مسلک سے جوڑنا نادانانہی کے خلاف ہے

حضرت شیخ الحدیثؒ نے سلسلہ چشتیہ کے دو عظیم بزرگ حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے جرعہ نوش اور میخانہ سلوک و تصوف کے جام شیریں سے لطف اندوز تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں:

”مجھے جب حضرت ناظم صاحبؒ نے اجازت دی تو میں نے خواب دیکھا کہ میں اجمیر شریف میں ہوں اور ڈول رسی کے ذریعہ پانی کھینچ رہا ہوں“ تو میں نے خود ہی اپنے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ حضرت نے مجھ کو صاحب السلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ تک پہنچا دیا ہے اور یہ میرے اوپر ہے کہ میں فیض کو جتنا ہو سکے کھینچوں“ (ایضاً)

شیخ الحدیثؒ خالص ”مولوی“ تھے، وہ انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، ٹی وی اور موبائل کی لت سے کوسوں دور تھے، صرف پڑھنا اور پڑھانا ان کا مشغلہ تھا پھر بھی وہ شاندار اور جاندار عطر کی طرح دور و نزدیک خوشبو بکھر چکے، جہاں جہاں سے گزرے لوگوں کو اپنے علوم و معارف کی نورانیت سے منور اور قریوں، بستیوں اور مکانوں و مکینوں کو معطر کرتے چلے گئے۔

مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوریؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کے بارے میں جنہیں معلوم ہے ان کیلئے تو شاید اتنی دلچسپی نہ ہو لیکن جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ علامہ شبلی نے لاہور جا کر حضرت ادیب الہند مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سے جب عربی ادب پڑھنے کی خواہش کی تو اولاً منع کر دیا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے لیکن جب اصرار کیا تو فرمایا کہ صبح گھر سے (بھائی دروازہ) سے اور نیٹل کالج تک پیدل جاتا ہے تم

اپنی کتابیں لے کر دروازے کے پاس آ کر کھڑے ہو جایا کرو، جب گھر سے نکلا کروں تو ساتھ ساتھ چلتے چلتے اسباق پڑھ لیا کرو، اس طرح علامہ شبلی نے ادب کی تعلیم پائی تھی اب سنئے ہمارے اس زمانے میں بھی ایسی نظیریں اگر تلاش کی جائیں تو مل سکتی ہیں چنانچہ مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

”جدہ میں محمد حریری ہیں بہت بڑے پروفیسر ہیں وہ حضرت کو جدہ سے اپنی گاڑی میں سوار کرتے تھے اور خود رانیونگ کرتے تھے اور پھر اس کے بعد کسی اور ڈرائیور کو بٹھا کر راستہ میں، عرفہ کے میدان میں، منی میں، اور دیگر مقامات میں چلتے پھرتے حضرت والاؒ سے پوری صحاح ستہ پڑھی ہیں“

عجیب و غریب شخصیت تھے حدیث پڑھتے پڑھتے وہ حدیث کے بحر بیکراں میں غواصی کر کے کامیاب اور فائز المرام ہوتے تھے ایک بار فتنوں کی بات چل پڑی تو فرمایا کہ:

”امت اس وقت بہت سے فتنوں میں مبتلا ہے جدھر دیکھو فتنے ہی فتنے۔ ان فتنوں سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ہم کو دی تھیں (۱) اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم (جب تک آپ دنیا میں ہیں اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہیں دیں گے) لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان فتنوں سے حفاظت کے لئے ہمیں دوسری چیز دی اور وہ ہے استغفار، چنانچہ فرمایا: وما كان الله لمعذبهم وهم يستغفرون (جب تک لوگ استغفار کرتے رہیں گے اللہ ان کو عذاب نہیں دیں

گے) پس استغفار کی کثرت کرو، خوب استغفار کرو، رجوع الی اللہ کرو، توبہ کرو، اس کے ذریعہ فتن اور عذابِ خداوندی سے حفاظت ہوگی۔ (بہار نبوت: ص ۸۵)

(آپ کے بارے میں بھلے ہی مسلکی طور پر طرح طرح کی باتیں مشہور ہو گئی ہوں لیکن آپ رخصت پر عزیمت کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے چنانچہ کچھ سال پہلے مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ یہاں رمضان کے اخیر عشرہ میں موجود تھے، ایک شخص نے کہا کہ میں نے شیخ صاحب مدظلہ کو جب یہ نماز پڑھائی تھی تو میں اُس وقت مسافر تھا لیکن میں نے غلطی سے چار رکعت پڑھادی، حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ مفتی شبیر احمد سے پوچھو، اس نے مفتی صاحب سے پوچھا، مفتی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، اس لئے کہ حضرت کا مسلک اربع فی اربع کا ہے، یعنی حضرت اس کو رائج سمجھتے ہیں اور اصول احناف پر بھی نماز ہو گئی کہ فریضہ وقت ادا ہو گیا، یہ امر آخر ہے کہ واجب الاعادہ ہو، یہ واقعہ ظہر کا ہے اس کے بعد عصر کی نماز ہوئی پھر مغرب کی نماز ہوئی پھر عشاء کی نماز ہوئی اس کے بعد تراویح ختم ہوئی حضرت کے یہاں تین پارے کی تراویح ہوتی تھی، حضرت نے مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ شبیر! یہاں احناف کا مجمع ہے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ نماز لوٹانی چاہئے، چنانچہ حضرت شیخ نے ظہر بھی دہرائی، عصر بھی دہرائی، مغرب بھی دہرائی اور عشاء بھی دہرائی)۔

آپ گو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سے خاص مناسبت تھی اور خود حضرت شیخ محمد زکریا کو آپ سے بے انتہا انس اور تعلق تھا چنانچہ مفتی محمد عبداللہ طارق دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک بار حضرت شیخ محمد زکریا نے فرمایا: اگر یونس میرے سلام

کا جواب بھی دیدے تو میں اس کا احسان سمجھوں ہوں“

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اپنی آپ بیتی میں جگہ جگہ بڑے شفقت آمیز انداز و اسلوب میں شیخ محمد یونس کا ذکر خیر فرمایا ہے چنانچہ لگے ہاتھوں چند مثالیں اور نظیریں پیش خدمت ہیں:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے حضرت رائے پوری کو خط لکھا کہ برائے کرم آپ مجھے بیعت نہ کرنے کی اجازت عنایت فرمادیں تو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نے بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ خط کا جواب تحریر فرمایا اور حکم دیا کہ بیعت جاری رکھو، یہ واقعہ آپ بیتی میں موجود ہے اور وہاں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ”یہ واقعات میں مولانا محمد یونس کے شدید اصرار پر لکھوا رہا ہوں“۔ (آپ بیتی ۴۳۱ جلد اول)

دارالطلبہ جدید کے اندر موجود دارالحدیث کے افتتاح کا معاملہ تھا، مولانا حکیم محمد ایوب کی سرپرستی میں بنی پر شوکت دارالحدیث کے افتتاحی موقع پر بخاری شریف کا افتتاح بھی طے تھا چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں:

”اس ناکارہ کا سفر ملتوی ہو گیا۔ تو مولانا انعام الحسن الوداع کے لئے تشریف لائے ان کی آمد پر حکیم محمد ایوب صاحب کی رائے ہوئی کہ دارالطلبہ جدید کی دارالحدیث کا افتتاح بھی اسی وقت ہو جائے چنانچہ ۲۵ شوال ۸۸ء یوم چہار شنبہ صبح کو اول اس سیہ کار نے بخاری شریف کا سبق شروع کرایا جس کی تجویز تو پہلے سے مولانا یونس صاحب کے متعلق ہو چکی تھی مگر ان کا بھی اصرار تھا کہ بسم اللہ یہ ناکارہ کرتا جاوے“۔ (آپ بیتی ۳۲۲ جلد اول)

ایک اور جگہ تحریر فرمایا کہ:

”دارالطلبہ جدید کی دارالحدیث جناب الحاج حکیم محمد ایوب صاحب نے اپنے اہتمام سے بہت ذوق و شوق سے بنوائی تھی ان کا اصرار تھا کہ ذکر یا اس کا افتتاح کرے اس لئے ۲۵ شوال چہار شنبہ صبح کو مولوی یونس صاحب اول الحدیث المسلسل بالا ولیہ پڑھوائی پھر زکریا نے بخاری شریف کی پہلی حدیث حفظ پڑھی کیونکہ آنکھوں میں نزول آب تھا اور پڑھ کر یہ کہا کہ بھائی تقریر تو اس کی بہت لمبی چوڑی ہے وہ تو مولانا یونس صاحب کریں گے تبرکاً بسم اللہ میں نے کرا دی ہے۔“ (آپ بیتی ۵۴۲ جلد اول)

اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی یہ تحریر گرامی لائق مطالعہ ہے: ”زکریا کے سفر کی وجہ سے مظاہر کے تقسیم اسباق میں بھی عجلت کی گئی، ۲۵ شوال کو اسباق کا افتتاح ہوا، مولوی یونس صاحب شیخ الحدیث نے اول مسلسل بالا ولایت پڑھی پھر بخاری شریف کی حدیث پڑھی اور مولانا انعام نے طویل دعا کرائی،“ (آپ بیتی ۱۲۱۰ جلد دوم)

صرف یہی نہیں کہ افتتاحی موقع پر حضرت مولانا محمد یونس اور شیخ و مرشد اور استاذ گرامی کو یاد رکھتے بلکہ بخاری شریف کے اختتام کے مواقع پر بھی اہتمام فرماتے چنانچہ حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:

”اتوار ۲۸ اگست کی صبح کو سہارنپور واپسی پر معلوم ہوا کہ مولانا یونس صاحب نے بخاری کا ختم روک رکھا ہے اس لئے حسب سابق دو شنبہ کی صبح کو ساڑھے نو بجے زکریا اور ناظم صاحب بھی پہنچ گئے معلوم ہوا کہ ایک حدیث روک رکھی ہے عبارت

تو خود مولانا نے پڑھی، دعا کے بعد زکریا اور ناظم صاحب تو واپس آ گئے اس کے بعد مولوی یونس صاحب نے سبق ختم کرایا دعا مولوی وقار صاحب نے کرائی اور اس کے بعد ناظم صاحب نے کچھ طلبہ کو نصائح فرمائیں،“ (آپ بیتی ۱۱۹۸ جلد دوم)

ایک جگہ اور لکھا کہ:

”مولوی یونس نے بخاری و مسلسلات دونوں روک رکھی تھیں ان کو عشاء کے بعد بلا کر کہا چونکہ طلبہ کو اطلاع نہیں اس لئے صبح کو تین گھنٹہ میں سب کو اطلاع کرا دو اور..... ۱۰ بجے ۱۲ اگست ۱۹۷۵ء مطابق ۳ شعبان ۱۳۹۵ھ بخاری شریف کا ختم ہوا، اول مسلسل بالا ولیہ کی حدیث پڑھی گئی اس کے بعد مولوی یونس نے بخاری کی آخری حدیث پڑھی متن دونوں کا زکریا نے پڑھا اس کے بعد کھانا کھایا اور حضرات نظام الدین ایک گھنٹہ لیٹ کر چلے گئے اور زکریا بھی چکنا چور ہو کر لیٹ گیا،“ (آپ بیتی ۱۲۴۸ جلد دوم)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ فلاں جگہ عورتوں نے بیعت ہونے کا شدید تقاضا کیا چنانچہ انھیں بیعت کیا گیا تو اس لفظ بیعت پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جوہنپوری حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہ بیعت علی منہاج النبوة ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بھی سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیعت اسلام کی حضرت اقدس قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی کے دست مبارک پر بھی گنگوہ میں سب سے پہلے ایک عورت اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے حکم سے بیعت ہوئی تھیں۔ حضرت اقدس مدظلہ کی نسبت بھی حضرت گنگوہی قدس سرہ کی نسبت کا عکس ہے کہ جملہ امور تصوف مع مشاغل

علمیہ خدمت حدیث تعلیماً و تصنیفاً ظاہر باہر ہے۔ (از یونس: آپ بیتی ۴۳۰ جلد اول)

اسی طرح ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کا ذکر خیر موجود ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا وہاں تشریف لے جاتے اور مراقب بھی ہوتے، چنانچہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پوری تفصیل من و عن آپ بیتی سے آپ بھی پڑھتے چلیں:

”حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ہندوستان میں بھی بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزار ہیں، براس جو ایک جگہ ہے انبالہ سے آگے بنجارے کی سرائے اسٹیشن سے اتر کر وہاں ایک احاطہ ہے اس میں مزار ہیں نشان گل قبروں کے نہیں، حضرت مجدد صاحبؒ کو مکشوف ہوا کہ یہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزار ہیں، ہم بھی مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند کے ساتھ گئے تھے مولانا نے مراقبہ کیا، ان حضرات کی ارواح سے ملاقات ہوئی، گنتی میں تیرہ حضرات ہیں، ان میں ایک باپ بیٹے بھی ہیں، باپ کا نام حضرت ابراہیم ہے اور بیٹے کا نام حذر ہے (نہ معلوم بالذال ہے ہے یا بالزال) مولانا نے ان کی بعثت کا زمانہ پوچھا تو ایک راجہ کا نام لیا کہ اس کے زمانہ میں ہم تھے، فرمایا حضرت والا نے کہ یہ نام میں بھول گیا پھر یاد آیا کہ راجہ کرن، مگر اتنا یاد ہے کہ تقریباً اب سے دو ہزار برس پہلے ہوا ہے اور فرمایا حضرت والا نے کہ مولانا نے مجھ سے اس مراقبہ کا قصہ بیان نہیں کیا بلکہ اپنے ایک مرید سے بیان کیا اور انہوں نے مولانا کے داماد سے بیان کیا، داماد صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور ان مرید صاحب کا نام حاجی حسین، بی ضلع سرہند اور داماد کا نام ضیاء الحق

ہے۔ یہ عبارت حسن العزیز کی میں نے پیش کر دی۔ (آپ بیتی ۱۲۵۷ جلد دوم)

آگے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں کہ

”ہمارے مولانا یونس صاحب مظاہری نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات میں اور بھی اس کی وضاحت ہے اور غالباً وہاں کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جس کو چشم بصیرت ہو وہ آج بھی ان کے انوارات دیکھ سکتا ہے“ (آپ بیتی ۱۲۵۷ جلد دوم)

بہر حال باتیں تو اتنی ہیں کہ یادوں کے درتپے کھلتے ہی جا رہے ہیں مگر آنکھیں ہیں کہ بوجھل ہوتی جا رہی ہیں، ہماری خوشی نصیبی ہے حضرت شیخ الحدیثؒ کی شخصیت پر خامہ فرسائی کا موقع ملا اور یہ چند سطور قلم برداشتہ لکھی گئیں صفحہ قرطاس پر بکھر گئیں ورنہ یہ سلسلہ دراز شاید ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا، نہ تو باتیں ختم ہو رہی ہیں نا ہی حکایتیں۔

سخنہائے گفتنی

بقلم: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند و خلیفہ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن لنگوہی

جامعہ اسلامیہ (ریوڑی تالاب بنارس) میں اکابر علماء و مشائخ کی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے، ان کی دعائیں ہماری علمی زندگی کی راہوں میں زادِ سفر کا کام دیتی ہیں، اس ادارے کی طرف اکابر کا رجوع فضلِ خداوندی ہے، ہم اس کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے، اسی فروری میں زبدۃ العارفین حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی تشریف آوری جہاں جامعہ کیلئے فخر و مباہات کا باعث تھی وہیں ترجمان الاسلام کے صفحات بھی اس فیض سے محروم نہیں رہے، ختم بخاری کی تقریب تھی، اساتذہ جامعہ اسلامیہ کے ساتھ شہر اور بیرون شہر کے مرکزی مدارس کے اساتذہ اور علماء پر یہ مجمع مشتمل تھا، اس مجمع میں برسہا برس حدیث کا درس دینے والے شیوخ حدیث فقہ و تفسیر پڑھانے والے علماء، اسلامیات پر تحقیقی کام کرنے والے مصنفین اور اہل قلم موجود تھے، اس منتخب اجتماع کو حضرت شیخ الحدیث نے خطاب فرمایا اور ایک عالمانہ ہی نہیں محققانہ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی جو علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے علماء کے لئے متاع بے بہا اور ان کے علمی سفر کی راہوں کے لئے منارہ نور ہے، تقریر ایک مخصوص اجتماع میں کی گئی تھی لیکن اس کی افادیت کو علمی حلقوں میں عام کرنے کی غرض سے ہم اس کو ترجمان الاسلام میں

شائع کر رہے ہیں، تقریر میں نہ الفاظ کا مسرفانہ استعمال ہے اور نہ خطاب کا جوش و خروش، نہ اس کی ضرورت تھی نہ موقعہ، اس میں نہ عوامی دلچسپی نہ ان کے ذہن و مزاج کی رعایت ہے نہ اپنی شخصیت کا اظہار، یہ خالص علمی تقریر ہے، محدثین اور علماء متقدمین نے جن مباحث کو اپنی کتابوں میں پوری علمی بصیرت ژرف نگاہی اور پوری تحقیق و تدقیق کی روشنی میں لکھا ہے ان کا عطر کشید کر کے پیش کیا گیا ہے۔

اس تقریر سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ مدارس اسلامیہ میں حدیث کس طرح پڑھائی جاتی ہے، کتنی شرح و بسط سے حدیث کے ایک ایک لفظ کو اس کی معنوی وسعت کو اسلامی روایات کی روشنی میں سمجھا سمجھایا جاتا ہے، وہ لوگ جو عربی زبان اور اس کے شعری و نثری ادب سے واقف ہیں دوسط کی روایت کا ترجمہ پڑھ کر حدیث دانی کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، اس تقریر سے ان کو اپنے مبلغ علم کا صحیح اندازہ ہو سکے گا، ان کو خبر نہیں کہ ”اعطیت جوامع الکلم“ رسول اللہ ﷺ کے فضائل کا ایک جزء ہے، یعنی الفاظ کا کم سے کم استعمال اور معنی کی وسعت کا یہ عالم کہ سیکڑوں اسرار و رموز کے پردوں کو چاک کر کے حقیقت معنی کی تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر دے، اس لئے ارشادات نبوی ﷺ کو سمجھنے کیلئے جس وسعت مطالعہ جس دقت نظر کی ضرورت ہے جب تک آپ اس کا حق ادا نہیں کریں گے اور یہ کنجی آپ کے ہاتھ میں نہیں آئے گی اس وقت تک جوامع الکلم کے قفل کھولنے کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے گاؤں کے تالاب کو دیکھ کر سمندر کے طول و عرض کو سمجھ لینے کا دعویٰ کرنا۔

مدارس کے یہ بور یہ نشین علماء اور شیوخ حدیث جب اپنی زندگیاں تاج دیتے

ہیں برسہا برس احادیث کے مطالعہ پر صرف کر دیتے ہیں، سلف و خلف کی تشریحات و تفصیلات سے واقف ہو جاتے ہیں، فتح الباری، عمدۃ القاری اور قسطلانی کے ہزاروں ہزار صفحات کھنگال ڈالتے ہیں، حرفاً حرفاً پڑھ لیتے ہیں تب امام بخاری کی جامع صحیح کو ہاتھ میں لینے کی جرأت کرتے ہیں، تب کہیں جا کر الفاظ نبوی کی معنوی وسعت کا پتہ چلتا ہے اور جملوں کی ترتیب کی گرہیں کھلتی ہیں، مسائل مستنبط کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہوتی ہے اور استخراج نتائج پر قدرت حاصل ہوتی ہے، ان مراحل سے گزر نے کے بعد تب ایمانی زندگی کے خاکے میں رنگ بھرنے کا ان کو استحقاق حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس کوچے سے واقف نہیں اس کے باوجود وہ اپنے کو خضر راہ سمجھتا ہے اور عقل کے گھوڑے پر بغیر لگام کے سوار ہونے کی کوشش کرتا ہے، قدرتی طور پر اس کا انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں، مدارس اسلامیہ کے علماء کا یہی خصوصی وصف ہے کہ وہ چاند ستاروں کی گردش سے تو واقف نہیں جس کی وجہ سے وہ استہزاء کے نشانہ ہیں لیکن اس کی نگاہوں میں مشکوٰۃ نبوت کا نور ہے، روشنی ہے وہ زندگی کی راہوں کے نشیب و فراز سے آشنا، صراط مستقیم اور مہلکات ضلالت کی خاردار وادیوں سے ضرور واقف ہیں، اس لئے دینی امور میں رائے زنی کی جسارت کرنے والوں کو اس وقت تک برداشت نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ ارشادات رسول ﷺ کو اسی طرح تفصیل کے ساتھ نہ سمجھ لیں جس تفصیل کا ایک نمونہ یہ تقریر ہے۔

(ماخوذ از مجلہ ترجمان الاسلام بنارس بابۃ ماہ اپریل، مئی، جون ۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

بخاری شریف کا ایک سبق

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله نحمده ونستعينه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا محمد اعبده ورسوله ارسله بالحق بشيراً ونذيراً صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً كلما ذكره الذاكرون وكلمنا غفل عن ذكره الغافلون اللهم اغفر لنا وارحمنا وמשائخنا وعلمنا ما جهلنا ووفقنا لما تحب وترضى من القول والعمل وجنبنا الفواحش والمعاصي والخطايا والذل اللهم اثرنا واكثرنا واصلح لنا شأننا كله لا اله الا انت اما بعد وبالا سناد المتصل منا الى امير المؤمنين في الحديث رسول الله ﷺ ابى عبد الله محمد بن اسمعيل بن ابراهيم الجعفي البخاري رضي الله عنه وارضاه واجزل ثوابه واوفاه واحشرنا في زمرة ونفعنا بعلمه، قال باب قول الله تعالى..... ونضع الموازين القسط ليوم القيامة۔

یہ کتاب التوحید کا آخری باب ہے، کتاب التوحید میں امام بخاری نے ذات

وصفات سے متعلق تراجم منعقد فرمائے ہیں، اللہ کی ذات اول بھی ہے اور آخر بھی ہے، اس لئے سب سے آخر میں اسی کا مسئلہ رکھنا چاہئے تھا اور سب سے پہلے بھی، امام بخاریؒ نے اسی لئے وحی سے ابتدا کی جو کلام الہی کا سرچشمہ ہے، اور صفت کلام پر کتاب کو ختم فرمایا، نیز ایمان سے افتتاح فرمایا کیونکہ وحی کا بیان تو تمہید و توطئہ تھا اور اللہ کی ذات و صفات کے مسئلے پر کلام کو ختم کیا، حق تعالیٰ کی ایک تو ذات عالی ہے اس کے بارے میں کسی مذہب سماوی کے ماننے والے کا کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ مسئلہ صفات میں بڑا طویل و عریض اختلاف ہے، کوئی اس کی صفت کا انکار کرتا ہے کوئی اقرار، جہمہ بن صفوان صفات الہیہ کا انکار کرتا ہے اور یہ عقیدہ اس نے اپنے استاذ جعد بن درہم (ف نحو ۱۱۸ھ) سے اخذ کیا تھا جس کو خالد بن عبد اللہ القسری (ف ۱۲۶ھ) نے عید الاضحیٰ کے دن ذبح کیا اور یہ کہا کہ ایہا الناس ضحوا تقبل اللہ ضحایا کم وانی مضح بالجد بن درہم فانہ زعم ان اللہ لم يتخذ ابراہیم خلیلاً، ولم یکلمہ موسیٰ تکلیماً، اور اس کے بعد اپنی سواری سے اتر کر اس کو ذبح کر دیا، اسی شخص سے نفی صفات کا عقیدہ جہم بن صفوان نے دیا تھا جو ترند کے پُل کے پاس رہتا تھا، فصاحت و بلاغت اور ادب سے واقفیت رکھتا تھا لیکن علوم اسلامیہ سے قطعاً نا بلد تھا، ایک دن اس سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی غیر مدخول بہا عورت کو طلاق دیدے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس نے کہا ”تعد“ عدت گزارے گی، حالانکہ غیر مدخول بہا عورت تو طلاق کے بعد فوراً ہی الگ ہو جاتی ہے، عدت کا مسئلہ وہاں آتا ہی نہیں ہے، ایک مرتبہ بعض اہل باطل کی اس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس سے یہ کہا کہ صف لنا ربک اپنے رب کے

اوصاف بیان کر، تو وہ گھر میں گھس گیا کئی روز کے بعد جب برآمد ہوا تو کہنے لگا ہو هذا الهواء فی کل شیء مع کل شیء یہ تو اس شخص کا مبلغ علم تھا، لیکن بہر حال لکل ناطق اتباع کے قاعدہ کے مطابق اس کے بھی کچھ ماننے والے لوگ پیدا ہو گئے، اس کا سب سے بنیادی عقیدہ نفی صفات اور اجبار و اضطراب کا تھا، یعنی وہ انسان کو مجبور و مضطر مانتا تھا اور اللہ تعالیٰ شانہ سے صفات الہیہ کی نفی کرتا تھا، یعنی ادھر تو جبر کا قائل تھا اور ادھر حق تعالیٰ شانہ سے صفات کی بھی نفی کرتا تھا جیسے فلاسفہ اور شیعہ کا مسلک ہے، اس کا قول جب مشہور ہوا تو اس کے بارے میں بھی اہل حق کو سوچنا پڑا، یہ جہم بن صفوان، حارث بن سُرّج (ف ۱۲۸ھ) کے ساتھ تھا جس نے نصر بن سیار (ف ۱۳۱ھ) کے مقابل میں علم بغاوت بلند کیا تھا، آپس میں جنگ ہوئی بعض کہتے ہیں میدان جنگ میں مارا گیا اور بعض کہتے ہیں بعد میں، بہر حال امام ابو جعفر بن جریر طبری (ف ۳۱۰ھ) نے لکھا ہے کہ ۱۲۸ھ میں یہ شخص قتل ہوا ہے اور مسلم بن احوذ نے اس کو قتل کیا، اور قتل کرنے سے پہلے اس نے کہہ دیا کہ میں جو تجھ کو قتل کر رہا ہوں تو اس لئے نہیں کہ تو میرا مخالف ہے بلکہ اس وجہ سے قتل کر رہا ہوں کہ تو نے ایک بات کہی تھی جس کو سن کر میں نے عہد کر لیا تھا کہ میں جب بھی تجھے پاؤں گا قتل ضرور کروں گا اور وہ بات یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ لم يتخذ ابراہیم خلیلاً ولم یکلم موسیٰ تکلیماً اور یہ کہا کہ اگر تو میرے پیٹ میں ہوتا تو پیٹ چاک کر کے نکالتا اور تجھ کو قتل کرتا واللہ لو کنت فی بطنی لشققت بطنی حتی اقتلک (تاریخ طبری ۶۹/۹) بالآخر اس کو قتل کر دیا، امام ابو محمد بن ابی حاتم رازی (ف ۳۲۷ھ) نے سعید بن رحمہ سے نقل کیا کہ ۱۳۰ھ میں

قتل کیا گیا ہے، اور ابوالقاسم طبری اللہ اسکائی (۲۱۸ھ) کتاب السنہ میں ۱۳۲ھ نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی (ف ۸۵ھ) نے قول اول کی تصویب فرمائی ہے، اور قول ثانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے راوی نے کسر کو پورا کر دیا ہو، بجائے ۱۲۸ھ کہنے کے ۱۳۰ھ کہہ دیا ہو، امام بخاریؒ چونکہ اہل حق کے امام ہیں اس لئے انہوں نے اہل حق کی حمایت میں کتاب الرد علی الجہمیۃ منعقد کی ہے جس کا دوسرا عنوان کتاب التوحید ہے، توحید کے معنی ہیں وحدانیت کی طرف منسوب کرنا، اور وحدانیت کا اعتقاد کرنا اور یہ عنوان قائم کر کے امام بخاریؒ نے یہ بتانا چاہا ہے کہ حقیقی توحید کیا ہے؟ معتزلہ اپنے آپ کو اہل التوحید والعدل کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم چونکہ صفات کی نفی کرتے ہیں صرف ذات کو حجت مانتے ہیں تو ہم حقیقی موحد ہیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کو واحد حق مانتے ہیں، امام بخاریؒ نے ان کی تردید کیلئے کتاب التوحید منعقد کی اور توحید کی حقیقت کو واضح فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو تسلیم کرنا وحدانیت کے خلاف نہیں ہے، اور جہم بن صفوان جو یہ کہتا ہے کہ اگر میں کہوں کہ حق تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو گویا میں ننانوے خداؤں کی پرستش کرتا ہوں، اس کا یہ قول غلط ہے، اس لئے کہ تعدد صفات سے تعدد ذوات لازم نہیں آتا ہے، اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں قرآن پاک میں ہے ولله الاسماء الحسنیٰ اسماء جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا سب سے کم درجہ تین ہے اور تعدد میں تین اور ننانوے میں کوئی فرق نہیں ہے، خلاصہ یہ ہیکہ قرآن کریم تعدد صفات پر دال ہے اور احادیث سے ننانوے نام کا ثبوت ہوتا ہے تو تعدد کے باب میں تین اور ننانوے میں کوئی فرق نہیں ہے یہ عدد بھی تعدد پر

دلالت کرتا ہے اور دوسرا عدد بھی، اور ظاہر ہے کہ کوئی ایمان دار آدمی قرآن پاک کے خلاف کوئی عقیدہ رکھ نہیں سکتا، تو جہم بن صفوان کو کم از کم تین اسماء اور تین صفات کو تو ماننا ہی پڑے گا اور جب اس نے تین صفات کو تسلیم کر لیا تو گویا حق تعالیٰ کی صفات متعددہ کو تسلیم کر لیا اور ننانوے اسماء کے ماننے سے صفات متعددہ ہی کا ماننا لازم آتا ہے، تعدد کے بارے میں قلیل و کثیر دونوں برابر ہیں، اس کے بعد اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات دو طرح کی ہیں: ایک بات اور کھدوں: جنید بغدادیؒ (ف ۲۹۷ھ) سے پوچھا گیا: ما التوحید؟ تو فرمایا: افراء القديم من المحدث توحید کی حقیقت ہے قدیم کو محدث سے جدا کرنا، توحید کی حقیقت صفات کا انکار نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ شانہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہ دینا، یہ ہے توحید کی حقیقت، حق تعالیٰ شانہ بھی سمع و بصر کے ساتھ متصف ہے، دیگر صفات کے ساتھ متصف ہے لیکن ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں لفظی اشتراک ہے، معنوی اشتراک نہیں ہے، انسان اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے مخلوق ہے اس کی اصل عدم ہے، عدم وجود میں آیا ہے اس کی ہر چیز حادث ہوگی، اور حق تعالیٰ شانہ ازلی اور قدیم ہے لہذا جیسے اس کی ذات ازلی اور قدیم اسی طرح سے اس کی صفات بھی ازلی اور قدیم ہوں گی، صفات کا اعتراف توحید کے منافی نہیں، توحید حقیقی یہ ہے کہ صفات کا اعتراف کیا جائے، لیکن وہ صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے، اور شرکت کے معنی یہ ہیں کہ جو ان صفات کے حقائق ہیں ان میں مخلوق کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، کیونکہ حق تعالیٰ قائل ہے لیس کمثله شیء ای لا فی الذات ولا فی الصفات نہ ذات میں اشتراک

اور نہ صفات میں اشتراک ہے، مجھے اس وقت الفاظ یا نہیں امام محمد بن ابراہیم البوشنجی (ف ۲۹۱ھ) سے پوچھا گیا کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟ تو فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات کا اعتراف کرنا، جو متصف بالصفات ہو لیکن ایسی صفات جس میں غیر کا اشتراک نہ ہو یعنی اس کی حقیقت میں غیر کی کوئی شرکت نہ ہو (لفظ ذہن میں نہیں آیا) تو اس کے بعد پھر اہل سنت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات دو طرح کی ہیں، صفات ذات اور صفات افعال، پھر صفات ذات و افعال کی دو قسمیں ہیں، بعض تو وہ صفات ہیں جن کا دلیل عقلی سے ثبوت ہے یعنی دلیل عقلی ان کا اثبات کرتی ہے اور بعض وہ صفات ہیں جن کا دلیل سمعی سے ثبوت ہوتا ہے، صفات ذاتیہ عقلیہ جو نقل سے بھی ثابت ہیں وہ کل سات ہیں، حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ اور اس کے ماسوا جتنی صفات ہیں جیسے تخلیق و ترزیق وغیرہ وہ صفات افعال ہیں، صفات ذات اور صفات افعال کی تعریف کیا ہے؟ اس میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اختلاف ہے، اشاعرہ تو کہتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے حق تعالیٰ لم یزل اور لایزال میں یعنی ازلاً وابدأ متصف ہے، ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا اور صفات افعال وہ صفات ہیں جن سے حق تعالیٰ لم یزل میں متصف نہیں ہاں لایزال میں متصف ہے، پہلے ان صفات کی اس کی طرف نسبت نہیں ہوتی تھی اور بعد میں اس کی نسبت کی جانے لگی اور ماتریدیہ کہتے ہیں جو امام ابو منصور ماتریدی (ف ۳۲۳ھ) کے ماننے والے ہیں جن کے مزار پر ہماری حاضری ہوئی جس کو بلڈوزر سے برابر کرادیا حکومت روسیہ نے اور وہاں ایک یہودی کو بسادیا، اس وقت اجازت لے کے ان کے مکان میں گھسے تو جیسے

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی منتظر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ بات نہیں کہنی چاہئے اہل اللہ کی باطنی توجہ ہوتی ہے میں بڑے بڑے بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا ہوں اور میرے قلب میں ادراک ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے میں فوراً ادراک کرتا ہوں، ان حضرات کے مزار پر تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسات ہو رہی ہے اور دل یوں چل رہا تھا جیسے بل رہا تھا، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سمجھ میں آئی اللہ کسی مزار کا کسی انسان کا محتاج نہیں ہے، ابو منصور کیا ان کا مزار کیا، برابر کر دیا اللہ نے، بہر حال امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے حق تعالیٰ شانہ متصف ہے اور ان کی اضداد سے متصف نہیں، جیسے حق تعالیٰ شانہ جی ہے میت نہیں، سمیع ہے اصم نہیں، بصیر ہے اعمیٰ نہیں، بارادہ ہے مخلع عن الارادہ نہیں، قادر ہے عاجز نہیں، متکلم ہے اخرس نہیں، وکذا، اور صفات افعال وہ صفات کہلاتی ہیں کہ جن سے حق تعالیٰ شانہ متصف ہے اور ان کی اضداد سے بھی، حق تعالیٰ محی بھی ہے ممیت بھی ہے اور نافع بھی ضار بھی ہے، تو یہ ہے فرق، وجہ اختلاف کیا ہے؟ وجہ اختلاف یہ ہے کہ اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ صفات ذات تو قدیم ہیں اور صفات افعال حادث ہیں، بذات خود ان کا کوئی وجود نہیں ہے، اصل میں اللہ کی قدرت و ارادہ جب کسی چیز سے متعلق ہوتی ہے تو اس تعلق کے بعد اللہ کے لئے ایک صفت ظاہر ہو جاتی ہے، مثلاً اگر ترزیق سے تعلق ہو تو حق تعالیٰ کے لئے صفت رازق و رزاق کا ظہور ہوگا، اور اگر تخلیق سے تعلق ہو تو خالق و خلاق کی صفت ظاہر ہوگی، اور حضرات ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی ساری صفات خواہ وہ ذاتی ہوں یا فعلی ہوں سب کی سب قدیم ہیں اور اسی کو حضرت امام بخاری اور حنابلہ میں سے قاضی

ابو یعلیٰ الصغیر اور شافعیہ میں سے محی السنہ ابو محمد بغویؒ نے اختیار فرمایا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بھی اسی طرف رجحان ہے، اور میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ حافظ صاحبؒ امام بخاریؒ کے منعقد کئے ہوئے ترجمہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، مگر ایسی گفتگو کرتے ہیں کہ وہ بات بھی اپنی کہدیں اور کسی کو اچنبھا بھی نہ لگے، اس لئے کہ اس زمانہ میں وہاں پر اشاعرہ اور اس طرح کے لوگوں کا غلبہ تھا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب آدمی کسی ایسے ماحول میں جہاں ایک ہی قسم کی بات ذہنوں میں اتری ہوئی ہو کہتا ہے تو ایک دم اس کے خلاف شورش برپا ہو جاتی ہے، اس لئے حافظ صاحبؒ بہت محتاط انداز میں چلتے ہیں، ہاں کہیں کہیں ایسا بھی کیا ہے کہ امام بخاریؒ کی رائے سے اختلاف بھی کیا ہے، مثلاً یہی کہ اگر امام بیڑہؒ کرامت کرے تو مقتدیوں کے لئے کھڑے ہو کر اقتداء کرنا چاہئے (امام بخاریؒ کا یہی مسلک ہے اس کے برخلاف) حافظ صاحبؒ کا اس میں یہی ہے کہ بیڑہؒ کرامت کر لے لیکن وہ اتنے گول مول اور اس قدر آہستہ سے چلتے ہیں کہ جلدی کسی کی پکڑ میں نہ آنے پائے، سمجھ میں نہ آنے پائے اور حافظ صاحبؒ نے پوری کتاب میں جہاں تک مجھ کو یاد ہے کہیں بھی نہیں کہا مذہبنا یعنی شافعیہ کی طرف انتساب کر کے مذہبنا کا لفظ انہوں نے کبھی نہیں کہا ہے، جیسے ہمارے اکابر کہہ دیتے ہیں مذہبنا مذہبنا، حافظ کہیں نہیں کہتا، اور وجہ کیا ہے؟ اس شخص نے کتاب (فتح الباری) اس وقت لکھی جب اس کا علم پختہ ہو چکا تھا، چوالیس سال کی عمر میں فتح الباری کا افتتاح کیا ہے اور اتنا بڑا امام ہے کہ اس کے معاصر علماء نے اس کا زبردست تذکرہ کیا ہے، علامہ تقی الدین فاسی نے ذیل التقليد میں نہ معلوم کتنے صفحات ان کے کمالات کے بیان میں رنگ دئے ہیں لکھ

دئے ہیں، ذیل التقليد تقی الدین فاسی کی ایک کتاب ہے ابھی ابھی چھپی ہے اور بھی ساتھی کا اعتراف بہت بڑی بات ہے، تو حضرت حافظ صاحبؒ کا رجحان بھی اسی بات کی طرف ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے، ظاہر قرآن کا بھی تقاضا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے اپنے لئے صفت تخلیق و ترزیق کو اپنی کتاب قدیم میں ثابت فرمایا ہے، اور اس کی کتاب قدیم بھی اس کا کلام ہے اور کلام اس کی ذاتی صفت اور قدیم ہے تو جو کچھ اس میں آیا ہے وہ بھی قدیم ہوگا، اور یہ تو گفتگو ہوئی ان صفات کے متعلق جو صفات عقلیہ کہلاتی ہیں جن کا ثبوت دلائل نقلیہ سے بھی ہے، لیکن کچھ ایسی صفات بھی ہیں جن کا ثبوت دلائل نقلیہ ہی سے ہے عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہے اور ان کی بھی دو قسمیں ہیں، صفات ذاتیہ، صفات فعلیہ..... صفات ذاتیہ اور فعلیہ، صفات ذاتیہ سمعیہ کی مثال ہے، وجہ، عین، ید، ساق، ان سب کا ثبوت قرآن کریم میں ہے، حق اس کا ثبوت حدیث صحیح میں ہے، اور صفات فعلیہ کی مثال، محی، نزول، استواء، وغیرہ اور یہاں بس یہی مناسب ہے جو سلف سے منقول ہے، سفیان بن عیینہ وغیرہ سے منقول ہے جس کو آپ نے ترمذی میں پڑھا ہوگا، امر وھا کما جاء، جس طرح سے ان صفات کا تذکرہ نصوص میں ہے بس اسی طرح پڑھتے چلے جاؤ آگے اپنی طرف سے اس کے بارے میں کوئی بات نہ کہو یعنی نہ تو تشبیہ و تمثیل کو استعمال کرو یہ کہو کہ وہاں نزول ایسا ہے جیسا ہمارا نزول ہے وہاں استواء ایسا ہے جیسا ہمارا استواء ہے اور نہ وہاں تحریف و تعطیل کرو یعنی اس کا معتزلہ کی طرح سے ایک دم ایسا انکار کرو ایسی تحریف کرو کہ کوئی وجود ہی باقی نہ رہے، تو حضرت امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب میں حق تعالیٰ کی صفات کا اثبات فرمایا ہے خواہ وہ صفات

ذاتیہ ہوں یا صفات فعلیہ ہوں، اخیر میں حضرت امام بخاری نے صفت کلام پر زور دیا ہے اور صفت کلام کی ابتداء کہاں سے فرمائی ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے تو یہ ہے کہ رص: ۱۱۱۴ پر باب قوله ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له حتى اذا فزع عن قلوبهم قالوا ما اذا قال ربكم قالوا الحق وهو العلى الكبير سے شروع فرمایا ہے لیکن حافظ کے علاوہ تمام شراح کرام علامہ کرمانی، علامہ عینی، اور اسی طرح سے حضرت قطب عالم گنگوہی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے صفت کلام کی ابتداء رص: ۱۱۱۰ پر باب قوله تعالى ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين سے کی ہے، اور یہی میرے نزدیک رائج ہے، اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تو آگے بہت سے تراجم ایسے آرہے ہیں کہ جن کی کوئی معقول غرض نہیں نکلتی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو جو اشتباہ پیش آیا وہ صرف اس لئے کہ امام بخاری نے رص: ۱۱۱۴ پر منعقد کئے جانے والے ترجمہ کے ضمن یہ کہہ دیا ولم يقل ما ذا خلق ربكم لیکن اتنی بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کا مسئلہ یہاں سے شروع ہوا، اصل میں حضرت امام بخاری نے صفت کلام سے متعلق چار طرح کے تراجم منعقد کئے ہیں، پہلے تو وہ تراجم ہیں جن سے امام بخاری نے اللہ کے لئے صفت کلام کو ثابت فرمایا ہے، دوسرے وہ تراجم ہیں جن سے امام بخاری حق تعالیٰ کے لئے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اپنی مشیت و ارادہ سے کلام فرماتے ہیں اور اس کا کلام نوع واحد نہیں ہے، یہ بھی ایک مسئلہ ہے، ابو محمد بن سعید بن کلاب اور ان کے اتباع، امام ابوالحسن اشعری (ف ۳۲۴ھ) امام ابو منصور ماتریدی، امام ابی العباس قلنسی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ

ایک صفت واحدہ ہے جو حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے لئے لازم ہے اور قدیم ہے، اور اس طرح سے لازم ہے جیسے صفت حیات لازم ہے اور حق تعالیٰ شانہ جب چاہتے ہیں اپنا کلام کسی کو سنادیتے ہیں، یعنی اس کا القاء فرمادیتے ہیں، اور ابو منصور ماتریدی کہتے ہیں جب اپنا کلام سنانا چاہتے ہیں تو ایک صوت مخلوق کے ضمن میں وہ اپنا کلام سنادیتے ہیں اور امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مشیت و ارادہ سے جب چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں اور اسی نکتہ کی وجہ سے حضرت امام بخاری نے مسائل کلام کے ضمن میں یا یوں کہئے ابواب کلام کے ضمن میں مشیت و ارادہ کا باب داخل کر دیا، تاکہ جہاں حق تعالیٰ کے لئے مشیت و ارادہ کا اثبات ہو وہاں ساتھ ساتھ یہ بھی اشارہ ہو جائے کہ حق تعالیٰ کلام اپنی مشیت و ارادہ سے فرماتے ہیں، تو دوسرا مسئلہ یہ ہوا، اور تیسرے تراجم وہ ہیں جہاں امام بخاری نے ایک خاص مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ جو کلام فرماتے ہیں اس میں حرف و صوت ہے، تمام متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کا کلام صوت اور حرف سے منزہ ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ صوت تو اس کلام میں ہوتی ہے جہاں متکلم ذی مخارج ہو اور جو ذی مخرج نہیں ہوتا ہے وہاں صوت کا وجود نہیں ہوتا، کیونکہ صوت تو نام ہے تقاطع الحوائف بالحنجرة کا اور وہاں یہ چیزیں کہاں ہیں، وہاں کہاں گلا ہے اور وہاں کہاں یہ ہے، لیکن حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ آواز کے ساتھ کلام فرماتے ہیں، اس کے کلام میں صوت پائی جاتی ہے اور اس کو امام بخاری نے رص: ۱۱۱۴ پر باب قوله تعالى ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له میں بیان

فرمایا ہے، چنانچہ آگے صوت کی روایات لے آئے ہیں، حافظ صاحب نے اس بات کی طرف غور نہیں کیا، صرف ولیم یقل ما ذا خلق ربکم کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ امام بخاری نے یہاں سے مسئلہ کلام کو شروع کیا ہے، جس کے نتیجے میں یہ اشکال پیش آ گیا کہ بہت سے بخاری کے تراجم ایسے بن گئے کہ جس کی کوئی معقول غرض نہیں ہوتی، لہذا حافظ کی رائے مرجوح ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہاں امام بخاری نے اللہ کے کلام کے لئے صفت صوت کو ثابت فرمایا ہے اور یہ جو متکلمین کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے کلام کے لئے صوت ثابت کرنا مشکل ہے، کیونکہ صوت کا وجود مخرج کو چاہتا ہے اور مخرج تجزی کو چاہتا ہے، ترکیب کو چاہتا ہے اور ترکیب و تجزی دلیل حدوث ہے یہ ساری مصیبت اس لئے پیش آئی کہ حضرت خالق جل مجدہ کے کلام کو مخلوق کے کلام پر قیاس کر لیا گیا، اگر مخلوق کے صوت کے ظہور کے لئے مخرج کا ہونا ضروری ہے تو خالق کی صوت کے ظہور کے لئے مخرج کا ہونا ضروری نہیں ہے، اگر متکلم غیر ذی مخرج ہے تو وہاں پر صوت کے لئے مخرج ہونا ضروری نہیں ہے اور کیسے ضروری ہو سکتا ہے؟ لیس کمشلہ شیء وهو السميع البصير، جب وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے تو وہ اپنی صفات میں بھی یگانہ ہوگا، اگر مخلوق کی صوت کے ظہور کے لئے مخرج ضروری ہے تو یقیناً اس کی صوت کے ظہور کے لئے مخرج ضروری نہ ہوگا، اور اس کی صوت اور مخلوق کی صوت میں فرق یہ ہے کہ مخلوق کی آواز تو مبدأ سے جب چلتی ہے تو آگے چلتے چلتے کمزور پڑ جاتی ہے اور جدھر متکلم کا رخ ہوتا ہے ادھر ہی مسموع ہوتی ہے، پیچھے کی جانب مسموع نہیں ہوتی، اگر ہوتی تو تھوڑی سی ہوتی ہے، لیکن باری تعالیٰ شانہ کی صوت کا حال یہ ہے کہ

مسند احمد الادب المفرد للبخاری اور مسند ابی یعلیٰ، مستدرک حاکم وغیرہ میں روایت ہے فینا دیہم بصوت یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب ایسی آواز سے ندا دیں گے جس کو قریب و بعید علی السواء سن لے گا، اس طرح سے حق تعالیٰ شانہ کی صوت کے بارے میں یہ وارد ہوا ہے: اذا تکلم اللہ بالوحي سمعه اهل السموات سلسلة كجبر السلسلة علی الصفا اور اس میں آگے یہ بھی ہے فیسحقون ملائکہ بیہوش ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ کی آواز اتنی طاقتور ہے کہ وہاں بیہوشی کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے، امام بخاری نے اس بات کو کتاب خلق افعال العباد میں بالکل واضح طور پر لکھ دیا ہے، کہ اس کی صوت مخلوق کی صوت کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتی ہے، یہاں آواز کا عالم ہے کہ سنتے ہی فرشتے بیہوش ہو جاتے ہیں، حالت یہ ہے کہ چاروں طرف سے برابر سنائی دیتی ہے اور مخلوق کی آواز میں یہ بات نہیں ہوتی ہے، اور چوتھے تراجم وہ ہیں جن میں امام بخاری نے اس خاص مسئلے کی وضاحت فرمائی ہے جس کی وجہ سے حضرت امام کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور بے وطنی کی زندگی گزارتے ہوئے خرتگ میں وفات پائی اور وہ مسئلہ ہے تلاوت و تملو کے فرق کا، تلاوت و تملو ایک ہیں یا دو؟ ایک تو ہے وہ کلام جس کو انسان پڑھتا ہے اور ایک خود انسان کا پڑھنا، تو یہ پڑھنا اور وہ چیز جس کو وہ پڑھ رہا ہے، دونوں ایک ہیں یا دونوں میں کوئی فرق ہے؟ امام بیہقی (ف ۴۵۸ھ) نے لکھا ہے اس پر تمام اہل حق کا اتفاق ہے، اہل سنت کا اتفاق ہے کہ تملو اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام ہے، غیر مخلوق ہے اور تلاوت کے باب میں دو مسلک ہیں، بعض تو تفریق کے قائل ہیں اور بعضوں نے اس مسئلے میں سکوت فرمایا

ہے، امام احمد بن حنبلؒ (ف ۱۴۱ھ) سے یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے تلاوت و متلو میں تسویہ کیا ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ تلاوت و متلو کو ایک سمجھتے ہیں، پڑھنے اور اس چیز کو جسے پڑھا گیا ہے ایک قرار دیتے ہیں بلکہ انہوں نے یہ طرز اس لئے اختیار کیا تاکہ کوئی آدمی قرآن شریف کے بارے میں کسی اہل حق کی بات کو لے کر اپنی مقصد برآری نہ کر لے، یہی وجہ ہے کہ جب حسین بن علی کراہیسی (ف ۲۳۸ھ) نے لفظی بالقرآن مخلوق کا دعویٰ کیا تو امام احمد نے اس پر نکیر کی، اسی طرح سے داؤد ظاہری (ف ۲۷۰ھ) نے جب یہ بات کہی تو اسحاق بن راہویہ (ف ۲۳۸ھ) نے ان پر نکیر کی، اور وہ جب امام احمد کی خدمت میں آئے تو حضرت امام نے ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی، مجھے خیال پڑتا ہے یہ بھی فرمایا: من داؤد؟ دو د الله قلبه، وجہ یہ ہے کہ اہل باطل اس لفظ کو لے کر عوام کو دھوکہ دیتے تھے، کہتے تھے لفظی بالقرآن مخلوق اور القرآن بلفظی مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ کھلا ہوا فرق ہے، لفظی بالقرآن مخلوق میں لفظی مبتداء ہے مخلوق اس کی خبر ہے اور القرآن بلفظی مخلوق میں القرآن مبتداء ہے مخلوق خبر ہے، پہلی ترکیب میں لفظ کو مخلوق کہا گیا، دوسری ترکیب میں قرآن کو مخلوق کہا گیا، فرق کیسے نہیں ہے؟ کھلا ہوا فرق ہے، لیکن ایک عامی انسان کو جو ان پڑھ ہو اس طرح کی باریکیوں سے ناواقف ہو دھوکہ دیدینے کے لئے یہ بات کافی ہے، اس لئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر اعتراض میں نکیر فرمائی، اعتراض کیا اور نکیر فرمائی اور ان کی رائے یہ تھی کہ لفظی بالقرآن مخلوق نہ کہا جائے، حتیٰ کہ فرمایا: من قال: لفظی بالقرآن مخلوق فهو جہمی، مگر اسی کے ساتھ ان

سے یہ بھی منقول ہے: من قال لفظی بالقرآن غیر مخلوق فهو مبتدع تو انہوں نے اس پر بھی نکیر کی، اُس پر بھی نکیر کی، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ تلاوت و متلو کو ایک نہیں سمجھتے ہیں، مگر کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے حد سے زیادہ غلو کیا، اور تلاوت و متلو کو ایک کہنا شروع کر دیا، اور بعضوں نے تو یہاں تک کہدیا جس روشنائی سے قرآن لکھا جائے جس کاغذ پر قرآن کریم لکھا جائے جس آواز سے قرآن پڑھا جائے سب قدیم ہے، حضرت امام بخاریؒ نے انہی کی تردید کے لئے یہ تراجم منعقد فرمائے اور خلق افعال العباد میں اس بات کو بار بار واضح فرمایا اور یہ بتایا کہ تلاوت اور چیز ہے اور متلو اور چیز ہے، تلاوت و متلو ایک ہو ہی نہیں سکتے، تلاوت تو انسان کے عمل کا نام ہے، پڑھنے کا نام ہے اور متلو وہ چیز ہے جس کو پڑھا جاتا ہے، دیکھئے کوئی شخص بخاری پڑھے تو کہا جائے گا قرأ صحیح البخاری قرأت قاری کا عمل ہوگا اور جس چیز کو پڑھ رہا ہے وہ بخاری کی تصنیف ہے، اسی طرح جب کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہے تو یہ پڑھنا پڑھنے والے کا عمل ہوگا، اور جس چیز کو پڑھ رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے، تو تلاوت و متلو اور قرأت و مقروء کے ایک ہونے کا سوال ہو ہی نہیں سکتا، مگر چونکہ مسئلہ بہت زوروں پر تھا اس لئے امام بخاریؒ نے مختلف عناوین سے اس حقیقت کو واضح فرمایا، اور کبھی اشارے کی زبان میں اور کبھی تشریح کے قریب قریب پہنچ جاتے ہیں اور اس کو بیان فرماتے ہیں، لیکن صاف بالکل کھل کے بہت کم بولتے ہیں اور اگر کبھی بولتے ہیں تو اس میں بھی کچھ نہ کچھ غموض ضرور ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں کے امزجہ فاسد ہوتے ہیں وہ ایک بات کو لیکر فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں، امام بخاریؒ کے خلاف بھی فتنہ کیا گیا، جب حضرت امام

بخاریؒ ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ (ف ۶۵۸ھ) نے فرمایا: کہ کل محمد بن اسماعیل بخاری آرہے ہیں، ان کے استقبال کے لئے چلنا ہے، ہزاروں آدمی چار ہزار آدمی غالباً گھوڑے پر سوار تھے جو ان کے استقبال کے لئے نکلے اور بیاذقہ یعنی پیدل چلنے والوں کا اور نچروں اور گدھوں پر سوار ہونے والوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں اور وہ جب نیشاپور تشریف لائے تو امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے کہہ دیا کہ ان سے کچھ مسئلہ کلام میں معلوم کیا جائے، قاعدہ ہے: الناس حریصون فیما منعوا بس ایک شخص نے پوچھ ہی لیا ما تقول فی القرآن؟ حضرت امام نے بار بار اعراض کیا گریز کیا لیکن اس شخص نے اصرار کیا تو فرمایا: القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقہ اس نے شور کر دیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہا ہے، حالانکہ حضرت امام نے ایسا نہیں کہا، مگر فتنہ پیدا ہو گیا تھا، امام محمد بن یحییٰ الذہلی کو امام بخاری سے چشمک پیدا ہو گئی تھی کہ امام محمد بن یحییٰ الذہلیؒ نے ایک مرتبہ یہاں تک کہہ دیا جو امام محمد بن اسماعیل کے پاس جائے سمجھ لو کہ وہ اس کے مسلک پر ہے، وہ ہماری مجلس میں نہ آئے، امام مسلمؒ (ف ۲۶۱ھ) برسر مجلس اٹھ گئے اور بعض روایات میں ہے کہ احمد بن سلمہ نیشاپوری (ف ۲۸۶ھ) بھی اٹھ گئے، اس سے محمد بن یحییٰ الذہلی کو بڑی ناگواری ہوئی اور صاف کہہ دیا لا یساکننی هذا الرجل فی البلد یہ آدمی اس شہر میں ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا، ایک مرتبہ محمد بن نصر مروزی (ف ۲۹۴ھ) محمد بن اسحاق قیسی کی مجلس میں حاضر تھے وہاں یہی مسئلہ آ گیا، تو محمد بن نصر مروزیؒ نے فرمایا کہ بخاری تو لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل نہیں ہیں، اور جو ان کی طرف نسبت کرتا ہے وہ

اس کی تردید کرتے ہیں، ابو عمر و خفاف کہتے ہیں میں وہاں سے اٹھ کر امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پہلے ان سے کچھ احادیث کا مذاکرہ کیا جب ان کی طبیعت میں نشاط پیدا ہو گیا تو میں نے کہا اے ابو عبد اللہ! آخر یہ آپ کی طرف سے کیا بات نقل کی جاتی ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق تو حضرت امام نے فرمایا: ابو عمرو! سن لو قوس، رے، حلوان، ہمدان، مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ اور بہت سے شہروں کا نام لیکر فرمایا: ان میں سے جو کوئی بھی یہ بات میری طرف منسوب کرتا ہے وہ غلط کہتا ہے، میں نے یہ کہا ہی نہیں ہے، اور امام بیحد ذہین ہیں وہ ایسی بات جو کسی کے مغالطہ کا باعث ہو جائے کہہ ہی نہیں سکتے، وہ تو تراجم منعقد کرنے میں اس قدر محتاط ہیں کہ اگر ان کو کوئی بات کہنی ہے اور کسی روایت سے وہ ثابت ہوتی ہے لیکن اس کا کوئی معارض بھی موجود ہے تو وہ بہت لطیف طریقے پر ترجمہ کے الفاظ سے اس کی طرف اشارہ ضرور کر دیتے ہیں اور پڑھانے والے کو خود اس کا اندازہ ہوتا ہے اور ان نکتوں کو وہ سمجھتا ہے کہ بخاری کیسے آدمی ہیں اور کیا کرتے ہیں، بھلا وہ ایسی بات کیسے بول سکتے ہیں جو دوسرے کے لئے گمراہی کا سبب بن سکے، بہر حال حضرت امام بخاریؒ نے تلاوت و تملو کے فرق کو واضح فرمایا اور پھر تو اس کے لئے امام بخاریؒ نے تراجم کا ایک سلسلہ قائم فرمادیا، اور میرا خیال یہ ہے کہ اسی پر امام بخاریؒ نے کتاب کو ختم فرمادیا ہے، اب اس کے بعد یہ سمجھئے کہ خاص طور سے اس ترجمہ کے متعلق مختصر اچند باتیں کہنی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اس ترجمہ الباب کو کتاب التوحید اور کتاب الرد علی الجہمیہ سے کیا مناسبت ہے؟ اور یہ باب امام بخاریؒ کیوں لے آئے ہیں؟ اس کے تین جوابات ہیں: (۱) حضرت امام بخاریؒ

نے عنوان قائم کیا ہے، کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم حافظ بن حجر تبعاً لغيرہم فرماتے ہیں کہ وغیرہم کا مصداق قدر یہ ہیں یعنی معتزلہ ہیں اور میزان کا انکار کرتے ہیں، امام بخاریؒ نے اس ترجمۃ الباب سے ان پر رد فرمایا ہے (۲) حضرت علامہ نور شاہ کشمیریؒ کی رائے ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ سے بھی اسی مسئلہ تلاوت و تلوکی طرف اشارہ کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ ترازو میں انسان کے اعمال تو لے جائیں گے، قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے تولے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ امام علامہ ابو یوسف یعقوب بغدادیؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ نے جو کتاب التوحید کا عنوان منعقد کیا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے متکلمین اپنے یہاں الہیات کا عنوان منعقد کرتے ہیں اور اس میں ذات و صفات و نبوت، حشر و نشر، میزان کو ذکر کرتے ہیں، امام بخاریؒ اسی کتاب التوحید کے نام سے تعبیر کر کے اس میں بھی یہی مسائل ذکر فرمائے ہیں، ونضع الموازين القسط لیوم القيمة۔

میزان کے متعلق یہاں چند مباحث ہیں (۱) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ حقیقی میزان قائم فرمائیں گے اور جس طرح سے دنیا کی موازن میں چیزیں تولی ناپی جاتی ہیں اسی طرح سے آخرت میں بھی چیزیں ناپی تولی جائیں گی، اور وہ چیزیں اعمال صالحہ یا اعمال طالحہ ہوں گے، اس مسئلہ میں نصوص صریح ناطق ہیں، لیکن معتزلہ نے مخالفت کی ہے کہ میزان سے نصوص میں مراد عدل و انصاف ہے نہ کہ حقیقی میزان، لیکن معتزلہ کا قول ناقابل قبول ہے، اگرچہ حضرت مجاہد سے منقول ہے اس لئے کہ کتاب و سنت کے نصوص میں جب حقیقی معنی ممکن ہوں تو مجاز کی ضرورت

نہیں ہے، تا آنکہ صارف موجود ہو اور یہاں نہ کوئی دلیل نقلی ہی ہے نہ عقلی، اس لئے کہ عقل اسے محال نہیں سمجھتی ہے۔

دوسری بحث نضع الموازين سے متعلق ہے، موازن جمع کا صیغہ ہے اس کے مفرد میں دو قول ہیں (۱) الموزون (۲) المیزان اگر موزون کی جمع ہے تو مراد اعمال موزونہ ہے اور اگر المیزان کی جمع ہے تو ترازو مراد ہے، الموزون کی جمع ہونے کی صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ جملہ مخلوقات کے تمام اعمال ہوں گے، اس لئے بصیغہ جمع ذکر کیا ہے، لیکن اگر میزان کی جمع ہو تو سوال یہ ہے کہ میزان ایک ہے یا متعدد ہوگی؟ دونوں قول ہیں (۱) قیامت میں متعدد موازن ہوں گی، چنانچہ امام فخر الدین رازی کا رجحان یہی ہے کہ قیامت میں موازن متعدد ہوں گی، اس لئے کہ قرآن میں بصیغہ جمع ہے (۲) دوسری جماعت کہتی ہے کہ ایک ہی میزان ہوگی، جو حضرات کہتے ہیں کہ متعدد موازن ہوں گی ان میں پھر اختلاف ہے (۱) عند البعض ہر عمل کی الگ الگ میزان ہوگی (۲) ہر شخص کی الگ الگ میزان ہوگی، لیکن اگر مان لیں کہ میزان ایک ہی ہوگی اس لئے کہ یہی رائج و صواب ہے اور یہی قول جمہور ہے اور حافظ کا مختار ہے تو اب سوال یہ ہے کہ موازن بصیغہ جمع کیوں ہے؟ (۱) اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اعمال متعدد ہوں گے تو اعمال کے تعدد کی وجہ سے موازن بصیغہ جمع لائے ہیں (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ تعدد اشخاص کی وجہ سے موازن فرمایا ہے (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ عظمت کی وجہ سے صیغہ جمع استعمال کیا ہے، چونکہ میزان بہت بڑی ہوگی، ساری دنیا کے اعمال وزن ہوں گے اس لئے جمع کا صیغہ فرمایا اور تعظیم کے لئے

جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، قال تعالیٰ: کذبت قوم نوح المرسلین، اس آیت کریمہ میں حضرت نوحؑ کی عظمت کی وجہ سے انہیں مرسلین سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) تیسری بحث یہ ہے کہ میزان کی شکل کیا ہوگی؟ اس کے جواب میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: میزان لہ لسان و کفستان اور ابوالقاسم طبری اللہ لکائی کتاب السنہ میں حضرت سلمان سے نقل کرتے ہیں: موضع المیزان ولہ کفستان، لو وضع فی احدهما السموات والارض ومن فیہن لو سعتہ یہ بھی کہا گیا ہے کفتاہ کا طباق السموات والارض۔

ایک سوال یہ ہے کہ میزان کس چیز کی ہوگی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ سکوت کرنا چاہئے مع الایمان بہ۔

القسط یہ صفت ہے موازین کی مگر مفرد ہے وجہ یہ ہے کہ قسط مصدر ہے اور المصدر لایشی ولا تجمع لہذا یہاں القسط ہی ذکر فرمایا گیا اور معنی ہے نضع الموازین ذوات القسط اور بعضوں نے کہا ہے کہ منصوب لاجلہ ہے یعنی مفعول لہ ہے، ای نضع الموازین لاجل القسط ہم موازین نصب کریں گے انصاف کرنے کیلئے یوم القیمۃ ابن قتیبہ اور ابن مالک کہتے ہیں کہ لام فی کے معنی میں ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ لام تعلیلیہ ہے، ای لاجل حساب یوم القیمۃ اور بعضوں نے کہا ہے کہ لام توقیت کا ہے یعنی لوقت یوم القیمۃ یعنی وقت بتانے کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔

وان اعمال بنی آدم وقولہ یوزن بنی آدم کے اقوال و افعال کو تو لا جائے گا، کیا چیز تولی جائے گی اس میں علماء کے تین قول ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس (ف ۶۸ھ)

امام بخاری، ابوالحق زجاج (ف ۳۱۱ھ) علامہ طبری (ف ۴۳۳ھ) وغیرہ کی رائے تو یہ ہے کہ اعمال تو لے جائیں گے، اور عبداللہ بن عمرؓ (ف ۷۳ھ) سے منقول ہے کہ نامہ اعمال تو لے جائیں گے، ابو بکر بن موزک (ف ۴۰۶ھ) ابو المعالی امام الحرمین، ابو العباس (احمد بن عمر) القرطبی (ف ۶۵۶ھ) ابو عبداللہ (محمد بن احمد) القرطبی (ف ۶۷۱ھ) نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور فخر الدین رازی (ف ۶۰۶ھ) نے عامہ مفسرین سے اور صاحب روح المعانی (شہاب الدین السید محمود آلوسی) (ف ۱۲۷۰ھ) نے جمہور علماء سے اسی کو نقل فرمایا ہے، قرطبی مفسر (ابو عبداللہ محمد بن احمد) نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اصحاب اعمال تو لے جائیں گے، جو قول اول کے قائل ہیں امام بخاریؒ نے انہی کی تائید فرمائی ہے اور دلیل میں حدیث کلمتان حبیبان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان پیش فرمائی ہے، اسی طرح اس کی دوسری دلیل حضرت ابوالدرداءؓ (ف ۳۲ھ) کی حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ ما یوضع فی المیزان افضل من خلق حسن رواہ ابو داؤد والترمذی اور ایک روایت میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن میزان کو نصب کیا جائے گا اور اس میں حسنات و سینات کو وزن کیا جائے گا، اس کے الفاظ ہیں لو وزن الحسنات والسیئات أخرجه الخیثمہ فی فوائدہ لیکن یہاں یہ اشکال ہے کہ اعمال تو اعراض ہیں ان کے تولنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں ایک جواب تو متقدمین کا ہے اور دوسرا جواب دور حاضر کا ہے، متقدمین تو کہتے ہیں کہ اعمال کو مجسّد کر دیا جائے گا یہ تو جیہہ حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور

دور حاضر کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال جدید سائنسی تحقیقات کے ظہور سے پہلے پہلے تھا اب جب کہ ایسے آلات پیدا ہو گئے کہ انسان کی آواز کو ضبط کر لیا جاتا ہے یہاں سے ہزاروں میل دور سے آدمی بات کر لیتا ہے لاسکی کے تاروں کے ذریعہ سے اور اسی طرح سے تھرمامیٹر کے ذریعہ حرارت و برودت کو ناپ لیتا ہے تو پھر اگر اعمال کا وزن ہو تو اس میں کوئی استعجاب کی بات نہیں، کسی زمانے میں معراج پر بڑا اشکال ہوتا تھا کہ آیا یہ معراج کیسے ہوئی؟ اور اتنا ثقیل جسم کیسے اتنی دور چلا گیا؟ اور اتنی بلندی کو اس نے عبور کر لیا؟ حتیٰ کہ اکبر جاہل نے ایک دن طنز کے طور پر لیٹے لیٹے ایک قدم کو دوسرے قدم سے اٹھایا اور کہنے لگا جب کہ اس قدم کے یہاں سے یہاں ہٹنے میں اتنی دیر لگتی ہے تو اتنا بڑا ثقیل انسان اتنی بڑی فضا کو عبور کیسے کر سکتا ہے؟ لیکن جب اپالو نمبر ۱۱ نے چکر چلایا اور چاند پر پہونچا تو محمد رسول اللہ ﷺ کی معراج کے بارے میں سارے شکوک و شبہات خاک میں مل گئے اس لئے کہ جب انسانی مصنوعات میں یہ طاقت ہے تو رحمن کے بھیجے ہوئے براق میں اس سے کئی گنا طاقت ہو تو اس میں کیا استعجاب کی بات ہے، اور دوسرے قول کی دلیل حدیث البطاقہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (ف ۶۵ھ) کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا جس کے معاصی کے دفاتر ۹۹۹ ننانوے ہوں گے اور جن کا طول و عرض تا حد نظر ہوگا اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوگا کیا میرے محافظ لکھنے والوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ ہر ایک کے جواب میں لالا کہے گا، پھر ارشاد ہوگا بلسیٰ ان لک عندنا حسنة تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، آج تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور ایک بطاقہ کاغذ

کا ٹکڑا جس میں کلمہ توحید لکھا ہوا ہوگا، نکالا جائے گا تو وہ کہے گا اے اللہ! ان دفاتر کے سامنے اس کاغذ کا کیا وزن ہے؟ اوپر سے ارشاد ہوگا تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس کو دوسری طرف رکھ دیا جائے گا نتیجہ یہ ہوگا فشقت البطاقة وطاشت السجلات آگے یہ بھی ہے ولا یشقل مع اسم اللہ شیء اللہ کے نام کے سامنے کوئی چیز وزن دار ہو ہی نہیں سکتی ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصحاب اعمال تو لے جائیں گے ان کی پہلی دلیل تو عبداللہ بن مسعودؓ (ف ۳۲ھ) کی وہ روایت ہے جس کی امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں تخریج فرمائی ان الرجل السمین لیأتی یوم القیمة ولا یزن عند اللہ جناح بعوضة ایک فریب آدمی قیامت کے دن لایا جائے گا لیکن اس کا وزن اللہ کے یہاں پر پشہ کے برابر چھھر کے پر کے برابر نہ ہوگا، مسند احمد، الادب المفرد للبخاری میں روایت موجود ہے حضور پاک ﷺ نے فرمایا لرجل عند اللہ اثقل فی المیزان من جبل احد لیکن اول تو اس قول کا کوئی معتبر مستند قائل نہیں اور دوسرے اس کے دلائل نص نہیں ہیں، لا یزن عند اللہ جناح بعوضة کے معنی اس کا حقیر اور بے قدر و قیمت ہونا ہے اور اثقل فی المیزان کے معنی قدر و منزلت ہیں، یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کے اس پاؤں کی جو دیکھنے میں نہایت پتلا ہے حق تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و منزلت ہے، اب رہ جاتے ہیں پہلے دو اقوال، حافظ ابن کثیر (ف ۷۷۷ھ) نے تو ایک جگہ لکھ دیا کہ ممکن ہے کبھی اعمال تو لے جائیں کبھی نامہ اعمال اور کبھی اصحاب اعمال لیکن اصحاب اعمال کے تو لے جانے کے سلسلے میں جو نصوص ہیں ان کا حال تو معلوم ہو چکا کہ وہ نص فی المرام نہیں ہیں، حدیث البطاقہ ضرور ایک ایسی حدیث ہے جس سے

نامہ اعمال کا تولد جانا ثابت ہوتا ہے لیکن وہ روایت ان روایات صریحہ کے معارض ہے جن سے اعمال کا تولد جانا ثابت ہوتا ہے اور اعمال کے تولے جانے کے سلسلے میں جو روایات ہیں وہ اصح اور اصرح ہیں، اسی لئے امام بخاری نے ان کو اختیار کیا اور حدیث الباقہ ایک تنہا روایت ہے جس سے نامہ اعمال کا تولد جانا ثابت ہوتا ہے، اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ ابن حبان کی رائے ہے اس لئے کہ انہوں نے اس روایت کو اپنی صحیح المسمیٰ بکتاب التقاسیم والانواع میں ذکر فرمایا ہے تو پھر یہی کہا جائے گا کہ یہ چیز اس شخص کے ساتھ خاص ہوگی والعلم عند اللہ۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ یہاں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اعمال تولے جائیں گے آیا ان اعمال بھی ایمان میں داخل ہے، اس میں اختلاف ہے حکیم ترمذی (ابو عبد اللہ محمد بن علی (ف نحو ۳۲۰) صاحب نوادر الاصول (فی احادیث الرسول) اور ابو عبد اللہ القرطبی تو کہتے ہیں کہ ایمان نہیں تولد جائے گا اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ایمان بھی تولد جائے گا اور حدیث الباقہ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں، لیکن فریق اول یہ کہتا ہے کہ آپ کا اس سے استدلال صحیح نہیں، حدیث بواقہ سے مراد توحسۃ الایمان ہے ایمان کی نیکی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایمان ایک عمل ہے اس عمل پر ایک نیکی مرتب ہوتی ہے تو وہ عمل تو نہیں تولد جائے گا ہاں اس پر جو نیکی مرتب ہوتی ہے وہ تولی جائے گی، علامہ ابن تیمیہ (ف ۲۸) وغیرہ کی یہی رائے ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث الباقہ سے مراد وہ کلمہ اخلاص ہے جو انسان کی زندگی میں کسی وقت اس کے منہ سے نکل جاتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ کلمہ ہے جو موت کے وقت انسان کے منہ سے

نکلتا ہے، بہر حال یہ ایک محتمل سی روایت ہے اس سے قطعیت کے ساتھ مسئلہ وزن ایمان کا اثبات نہیں ہوتا، اور آیا کفر کو تولد جائے گا یا نہیں؟ اس کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ کافر کا محاسبہ ہوگا اور اس کے اعمال تولے جائیں گے یا نہیں؟ اس میں دو رائیں ہیں، بعض علماء تو کہتے ہیں کہ کفار سے محاسبہ نہیں ہوگا، اور ان کے اعمال نہیں تولے جائیں گے، اور بعضوں نے کہا کہ ان سے محاسبہ ہوگا اور ان کے اعمال تولے جائیں گے، اور یہی قول رائج بھی ہے، قرآن پاک کی آیت ومن خفت موازینہ فاو لئک الذین خسروا انفسہم فی جہنم کالحنون تلفح وجوہہم النار وہم فیہا کالحنون ألم تکن آیاتی تتلی علیہم فکنتم بہاتکذبون اس کی صاف دلیل ہے اور وزن اعمال کافر کی صورت کیا ہوگی؟ بعض تو کہتے ہیں کہ ایک طرف کفر اور معاصی کو رکھ دیا جائے گا اور دوسری طرف کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی، اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایک طرف کفر و معاصی کو رکھا جائے گا اور دوسری طرف وہ بعض نیکیاں رکھ دی جائیں گی جو کبھی کافر نے کی ہیں، مثلاً کسی غریب و مسکین کی مدد کی ہے کسی یتیم کی اعانت کی ہے، جو قول اول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کفر کے ساتھ کوئی حسنہ وجود پذیر ہو ہی نہیں سکتی اس کا وجود عدم برابر ہے اور جو حضرات کہتے ہیں کہ حسنات کافر کا اعتبار ہے وہ کہتے ہیں کہ عبادت اور چیز ہے اور حسنات اور چیز ہیں، عبادت تو کفر کے ساتھ محقق نہیں ہو سکتی اس کا وجود عدم برابر ہے، ایک شخص ظاہر ہے اگر کلمہ پڑھتا ہو اور باطن میں کافر ہو یعنی منافق ہو تو اس کا کوئی عمل یعنی اس کی کوئی عبادت عبادت نہیں، لاشیء ہے لیکن اگر اس نے کوئی نیکی کا کام کیا ہے تو یہ کام اپنی جگہ معتبر ہے، یہ از باب عبادات نہیں

ہے یہ تو نیکی کا کام ہے، نیکی لفظ عام ہے اور عبادت لفظ خاص ہے، نیکی کو تو فارسی میں نیکی کہتے ہیں اور عبادت کو فارسی میں بندگی کہا جاتا ہے، بندگی اور چیز ہے بندگی نام ہے سراقندگی کا اور نیکی کے لئے سراقندگی لازم نہیں ہے، کوئی بھی اچھا کام آدمی کر لے تو بہر حال ایک طرف اس کی نیکیاں رکھ دی جائیں گی، لیکن کفر کی ظلمت کے سامنے ان نیکیوں کا کیا وزن ہوگا؟ کفر و معاصی کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، دوسری طرف کا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

بنی ادم، بنو آدم کے اعمال تو لے جائیں گے، کیا ہر انسان کا عمل تو لیا جائے گا؟ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف کفر ہی ہو تو اس کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا، جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اسی طرح وہ ستر ہزار آدمی جو بلا حساب جنت میں جائیں گے وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کا محاسبہ نہیں ہوگا۔

وقولہم ، یہاں پر دو نسخے ہیں، قولہم، بصیغہ مفرد اور اقوالہم، بصیغہ جمع، اگر اقوالہم ہو تو ظاہر ہے، اعمال کی مناسبت سے اقوال فرمایا گیا، اور اگر قولہم فرمایا ہو تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ اس تفریق کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کے مصادر یعنی ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ متعدد ہیں، اس لئے وہاں تو اعمال کہا گیا اور قول کا مصدر صرف زبان ہے اس لئے وحدت مصدر پر نظر کرتے ہوئے صیغہ واحد ذکر کیا گیا، اب یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے اعمال کے بعد اقوال کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے پاس وزن اعمال کے سلسلے میں کوئی صریح روایت نہیں تھی، ہاں البتہ وزن اقوال کے باب میں ان کے پاس

روایت موجود تھی، اسی سے انہوں نے وزن اعمال کا مسئلہ ثابت فرمایا، اس لئے کہ اقوال بھی تو اعمال لسان ہیں، اس سے امام بخاریؒ کی بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے، اور ان کے دقیق اشارات معلوم ہوتے ہیں کہ وہ مسئلے کیسے مستنبط کرتے ہیں، اور کس طرح اشاروں کی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں۔

وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية : القسطاس : قاف کا کسرہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں، فرماتے ہیں کہ قسطاس رومی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی عدل آتے ہیں، اس کا مطلب یہ نکلا کہ امام مجاہد (ف ۱۰۲ھ) یہ مانتے ہیں کہ قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ واقع ہوئے ہیں اس میں بڑا زبردست اختلاف ہے، امام شافعی (ف ۲۰۴ھ) ابو جعفر ابن جریر طبری (ف ۳۱۰ھ) ابو عبیدہ معمر بن شثیٰ (ف ۲۰۹ھ) وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ واقع ہی نہیں ہوئے، قرآن خود کہتا ہے بلسان عربی مبین، قرآن کریم نے کہا ہے: قرآناً عربیاً قرآن تو اپنے بارے میں یہ اعلان کر رہا ہے کہ وہ عربی ہے، اور عربی زبان میں نازل ہوا ہے، لیکن ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ بھی واقع ہوئے ہیں اور اس کی دلیل میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ متقدمین مفسرین سے کلمات قرآن کے بارے میں کہیں تو یہ منقول ہے کہ یہ رومی زبان کا لفظ ہے، کہیں یہ منقول ہے کہ یہ بطی زبان کا لفظ ہے، کہیں یہ وارد ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، یہ سب کلمات آپ کتاب التفسیر میں پڑھ چکے ہوں گے اور متفرق جگہوں پر امام بخاریؒ نے اسی طرح سے ذکر کیا ہے، لیکن فریق اول میں سے امام شافعی تو کہتے ہیں کہ کلام عربی تو بہت وسیع ہے نبی کے علاوہ کوئی اس کا

احاطہ کر ہی نہیں سکتا، عرب کے لغات میں بڑی وسعت ہے اس کو میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں کہ دیکھئے جیسے ہم لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہیں ہندوستان میں ہندوستانی زبان بولی جاتی ہے، مگر ظاہر ہے کہ ہر ہندوستانی ایک زبان نہیں بولتا، کہیں اردو بولتے ہیں کہیں بنگالی بولتے ہیں کہیں پنجابی بولتے ہیں اور کہیں یہ مراٹھی زبان بولی جاتی ہے، کہیں گجراتی، مجموعی طور پر سب ہندوستانی زبان ہیں، لیکن ہر ایک کا لغت الگ ہے، اسی طرح سے عرب میں تھا، حجاز کی لغت اور ہے، قبیلہ طے کی لغت اور ہے، یمن کے لوگ اور طرح سے بولتے ہیں، ہر ایک کے لہجے الگ الگ ہیں، اور ظاہر ہے کہ سارے عربوں کا لہجہ اور ان کے لغات ایک ہی انسان کو معلوم ہو جائیں یہ نہیں ہو سکتا، ہاں نبی اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے عالم بنتا ہے اور حق تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اس لئے نبی کو سب کا احاطہ حاصل ہوتا ہے، تو اصلاً بعض کلمات عرب کے بعض خطوں کے لغت میں استعمال ہوتے تھے لیکن بعض مفسرین کو پتہ نہیں چلا، انہوں نے کسی نبطی یا حبشی یا رومی کی زبان سے اس لفظ کو سن لیا تو یہ سمجھ لیا کہ یہ اسی کا لغت ہے اور امام ابو جعفر ابن جریر طبری اس کو از باب توارد اللغات کہتے ہیں (ابو الحسین احمد) ابن فارس (ف ۳۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ جب عرب نے ان کلمات کو لے کر ان میں تصرف کر لیا اور اپنی زبان میں استعمال کرنے لگے تو یہ عربی زبان کا لفظ بن گیا، جیسے اردو ہے اردو کی ماں ہندی ہے اور اس میں فارسی نے آکر اضافات کئے ہیں، اب اگر کوئی آدمی پوچھنے لگے کہ اردو میں پریشانی کو کیا کہا جاتا ہے تو یہی کہا جائے گا کہ پریشانی کہا جاتا ہے اور ہندی میں کیا کہا جائے گا بھائی! معلوم ہے؟ کٹھنائی، کٹش یا اللہ! سب عجیب عجیب الفاظ ہیں، خیر تو اب

دیکھئے کہ پریشانی کے لئے ہندی میں تو کٹھنائی یا کٹش ہے لیکن اردو زبان میں اس حقیقت کو تعبیر کرنے کیلئے یہ کہا جائے گا کہ پریشانی کا لفظ ہے، مگر یہ لفظ کہاں سے آیا؟ فارس سے آیا، فارسی زبان کا لفظ ہے، اردو زبان والوں نے اس کو استعمال کیا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اردو زبان کا لفظ ہے، دوسروں سے لے کر اپنے یہاں جب استعمال شروع کر دیا تو یہ اپنا لفظ بن گیا، اپنی زبان بن گیا، بہر حال ایک جماعت کا یہ بھی خیال ہے کہ اس میں غیر عربی کلمات واقع ہوئے ہیں، کتنے کلمات ہیں؟ میری معلومات میں تاج سبکی (عبدالوہاب بن علی (ف ۷۷۱ھ) نے سب سے پہلے اس کا عدد شمار کیا، ستائیس ۲۷ کلمات ذکر کئے ہیں اور ایک ار جوزہ میں اس کو ضبط فرمایا ہے اس کے بعد حافظ آئے انہوں نے چوبیس کا اس پر اضافہ کیا اور اس کے بعد حضرت امام سیوطی (عبدالرحمن بن ابی بکر (ف ۹۱۱ھ) تشریف لائے انہوں نے اس پر ساٹھ سے زائد کلمات بڑھا دیے، سارے امور کی تفصیل اگر دیکھنی ہو تو امام سیوطی کی کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ دیکھی جائے۔

”و یقال القسط مصدر المقسط“ یہ ابو عبیدہ معمر بن ثنی کا مقولہ ہے، انہوں نے مجاز القرآن میں لکھا ہے امام اسماعیلی نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ”مقسط“ کا مصدر اقساط آتا ہے، قسط کے معنی تو ہیں عدل اور اقسط کے معنی ہیں عدل اور غالباً اقسط اس لئے کہتے ہیں کہ انہ لزم القسط، یعنی صاحب انصاف انصاف کو لازم کر لیتا ہے، اور جو انصاف کو اپنے اوپر لازم کر لے انصاف کرے گا، لیکن بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ القسط مقسط کا مصدر ہے بخلاف الزوائد کم سے کم درجہ میں یہ توجیہ ضرور

کرنی چاہئے اس لئے کہ ابو عبیدہ بن شنیٰ تو امام لغت ہے وہ یوں ہی زبان قلم سے کوئی بات نہیں کہہ دے گا، معلومات کے بعد ہی کہے گا اور امام بخاریؒ خود ہر فن کے امام ہیں حدیث کے فقہ کے، لغت کے اور تاریخ کے رجال کے ان کا کہنا بھی سند ہے، مگر ان پر کوئی اعتراض کر سکتا تھا اس لئے اس کا جواب دینے کیلئے تو ہم نے پہلے یہ بتا دیا کہ بخاری نے ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے اور ابو عبیدہ پر جو اعتراض ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مصدر بخذف الزوائد ہے۔

”وہو العادل“ یعنی مقسط کے معنی ہیں عادل۔

واما القاسط فهو الجائر: مصنف نے بتا دیا کہ قاسط قسط سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں ظلم کیا، قسط بفتح القاف وسكون السين کہتے ہیں ظلم کرنے کو، وبالا سناد الی امیر المومنین فی رسول اللہ ﷺ ابی عبد اللہ البخاریؒ وأرضاه وأجزل ثوابه وأوفاه واحشرنا فی زمرته ونفعنا بعلمومه قال حدثنا احمد بن اشكاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارة بن القعقاع عن أبي زرعة عن أبي هريرةؓ قال: قال النبي ﷺ: كلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

قال حدثنا محمد بن فضیل، محمد بن فضیل سے لیکر آخر سند تک یہ سند غریب ہے یعنی ہر راوی دوسرے سے روایت نقل کرنے میں منفرد ہے، کوئی اس کا متابع نہیں ہے، یہ روایت اسی طرح امام احمد بن حنبل، مسلم، اور ترمذی، ابو عوانہ اور اسماعیل

وغیرہ نے تخریج فرمائی ہے، امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ہذا حدیث حسن غریب اور بخاری شریف کی پہلی سند بھی غریب ہے، یحییٰ بن سعید انصاریؒ محمد بن ابراہیم تمیمی سے اور وہ علقمہ بن وقاص لیشی سے وہ حضرت عمرؓ سے اور حضرت عمرؓ سے حدیث نیت کے نقل کرنے میں منفرد ہیں، مصنف کا یہ کمال سمجھا جاتا ہے کہ ابتداء اور انتہاء میں مناسبت ہو، حضرت امام بخاریؒ نے دو سندیں ذکر کیں دونوں میں غرابت پائی جاتی ہے، یہ بھی ایک مناسبت ہے، باقی مناسبات میں ابھی بیان کروں گا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاریؒ کے یہاں سند غریب صحیح ہے، اگر دیگر شرائط صحت یعنی عدالت رواۃ اور اتصال موجود ہوں اور امام ابو بکر عربی ابن (محمد بن عبد اللہ ف ۵۴۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو دعویٰ کر دیا کہ بخاری کی شرط یہ ہے کہ سند عزیز کے درجہ میں ہو یعنی ہر طبقہ میں دو راوی ہوں یہ صحیح نہیں ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث صحیح کیلئے اس سند کا عزیز ہونا ضروری نہیں ہے اور امام حاکم (محمد بن عبد اللہ ف ۴۰۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ سے بعض علماء نے نقل کر دیا کہ وہ حدیث کی صحت کیلئے سند کی عزت ضروری مانتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ امام حاکم کا کلام اس سلسلے میں واضح نہیں، اور ظن غالب یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ راوی حد جہالت سے نکل گیا ہو، اور ہر راوی سے کم از کم دو ثقہ آدمی روایت کرتے ہوں، حافظ ابن حجرؒ کا کلام کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے، اخبار احاد میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے، اور حافظ ابو علی غسانی (حسین بن محمد الجبائی الاندلسی ف ۴۹۸) صاحب ”تقلید المہمل“ کی بھی یہی رائے ہے۔

کلمتان حبیبان: حبیبان محبوبتان کے معنی میں ہے اور کلمتان تثنیہ ہے کلمہ کا، یہاں کلمہ کلام کا مقابل نہیں ہے، بلکہ کلمہ سے مراد کلام ہے جیسے کلمہ طیبہ، کلمہ طیبہ کہتے ہیں اور مراد کلام لیتے ہیں۔

خفیفتان علی اللسان: یعنی پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی، آسانی کے ساتھ یہ کلمہ زبان سے ادا ہوتا رہتا ہے۔

ثقیلتان فی المیزان: یہ بتا دیا گیا کہ گو پڑھنے میں تو خفت ہے لیکن وزن کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں تر از و اعمال کا بھاری کر دیں گے، وزن دار کر دیں گے اس کی علت وہی پہلا جملہ ہے۔

حبیبان الی الرحمن: رحمن کو محبوب ہیں اس لئے یہ میزان میں ثقیل ہوں گے وزن دار ہوں گے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم: سبحان اللہ کا مقصد تنزیہ ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ تمام نقائص سے پاک ہے، پس سبحان اللہ کے لفظ سے صفات سلبیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کو صفات جلال سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جس کو ہم اپنی زبان میں یہ کہیں گے کہ حق تعالیٰ شانہ تمام نقائص و معائب سے پاک و منزہ ہے۔

وبحمدہ: الحمد للہ کے معنی میں ہے، ای اتلبس بحمدہ، ای أقول الحمد للہ، اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات کمالیہ کا اثبات ہے، تو گویا یہ کلمہ اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات اکرام اور صفات ثبوتیہ کو ثابت کرنے کے لئے ذکر

کیا گیا، تو پہلے صفات جلالیہ کو ذکر کیا گیا اور اس کے بعد صفات اکرام کی طرف اشارہ فرمایا گیا، علامہ طبری نے لکھا ہے کہ تسبیح کے لئے توحید لازم ہے، کیونکہ کمال تنزیہ کے لئے توحید لازم ہے اور اگر توحید نہ ہو تو کمال تنزیہ نہیں، کیونکہ فی الجملہ کوئی نہ کوئی کمی آجائے گی اور توحید کے لئے تنزیہ لازم ہے، کیونکہ توحید اسی وقت کامل ہوگی جب تمام نقائص سے تنزیہ پائی جائے۔

سبحان اللہ العظیم: العظیم، الاکبر کے معنی ادا کرتا ہے، عظیم جو علی الاطلاق عظمت والا ہے، اور علی الاطلاق عظمت جس ذات میں پائی جائے گی وہ سب سے بڑا ہوگا، تو یہ کلمہ گویا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا مضمون اپنے اندر لئے ہوئے ہے، جس کو ترمذی کی ایک روایت میں احب الکلام الی اللہ کہا گیا ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ امام بخاریؒ نے یہاں جو باب ذکر فرمایا ہے اس کو کتاب کے ابتدائی مضامین کے ساتھ مناسبت ہے، یوں کہہ لیجئے کہ امام بخاریؒ نے کتاب کے آخر میں جو مضمون ذکر کیا ہے اور جو روایت ذکر کی ہے اس کو کتاب کے ابتدائی مضمون اور روایت سے مناسبت ہے، مضمون کی مناسبت تو یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے وحی سے ابتداء کی جو کلام الہی کا سرچشمہ ہے، اور یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کا علم وحی پر موقوف ہے یہ وحی ہی سے اللہ کا کلام معلوم ہوتا ہے اور صفت کلام پر لا کر کتاب کو ختم فرما دیا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے وحی کا بیان تو صرف تو طلبہ اور تمہید کے طور پر تھا، اصلاً تو ایمان کو بیان کرنا تھا، لہذا امام بخاریؒ نے کتاب کی ابتداء ایمان سے کی اور اختتام اہم مسائل ایمان یعنی

مسائل ذات و صفات پر فرما دیا۔

حدیث کے اعتبار سے کئی مناسبتیں ہیں، سند کے اعتبار سے ہے، متن کے اعتبار سے ہے، سند کے اعتبار سے بھی کئی مناسبتیں ہیں، پہلی مناسبت تو یہ ہے کہ بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے جو روایت ابتداء میں ذکر فرمائی ہے، حمیدی سے نقل کی ہے اور آخر میں جو روایت لائے وہ احمد بن اشکاب سے نقل کی ہے، تو بخاریؒ کے علم میں بخاری کے پہلے استاذ اور آخری استاذ کا مادہ حمد ہے، امام بخاریؒ نے اس سے اپنی نیت کے محمود ہونے کی طرف اولاً و آخراً اشارہ کیا، اسی طرح سے طالب کو متوجہ کیا کہ وہ اپنی نیت از اول تا آخر محمود رکھے، اور نیت ہی کی محمودیت ہی پر اعمال کا محمود ہونا موقوف ہے، اور اعمال کا محمود ہونا، اعمال کا مقبول ہونا ہے، اور قبول اعمال کے بعد ہی انسان جنت کا مستحق ہوگا، جس کو دارالحمدا کہا جاتا ہے، اور دوسری مناسبت ایک اور ہے اس میں تھوڑا سا اگرچہ تکلف ہے، لیکن بہر حال نکات اور مناسبت کے سلسلے میں اس طرح کی باتیں قابلِ تحمل ہوتی ہیں، اور وہ مناسبت یہ ہے کہ حمیدی تو کی استاذ ہیں اور احمد بن اشکاب حضرمی، حضرموت کے رہنے والے ہیں، جو یمن کا ایک شہر ہے اور انصار مدینہ بھی یمن ہی کے باشندے تھے تو گویا امام بخاریؒ نے حمیدی سے کتاب کا افتتاح کر کے تو اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ وحی کی منزل اول مکہ ہے اور احمد بن اشکاب پر کتاب کو ختم کر کے یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کی آخری منزل مدینہ منورہ ہے، اور تیسری مناسبت یہ ہے کہ دونوں سندیں غریب ہیں، جیسا کہ ابھی اشارہ کیا گیا اور چوتھی مناسبت یہ ہے کہ بخاریؒ کی پہلی روایت کے صحابی حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں اور

آخری روایت کے صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور یہ دونوں کے دونوں مہاجر صحابی ہیں، امام بخاریؒ نے ابتداءً کتاب اور انتہائے کتاب میں مہاجر صحابی کی روایت لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مؤمن کو ہمیشہ ہجرت اپنے سامنے رکھنی چاہئے، ایمان کی ترقی، اعمال کی ترقی، علم کی ترقی اسی ہجرت پر موقوف ہے، دیکھئے حضرت آدم سے بھی ہجرت کرائی گئی، پہلے وہ جنت میں تھے ان کو وہاں سے دنیا میں بھیجا گیا، تاکہ انبیاء کا ظہور ہو اولیاء کا ظہور ہو، یہ علوم کے سرچشمے جاری ہوں، اور یہ کتابیں تصنیف ہوں، حق تعالیٰ کی صفات جلال و جمال کا ظہور ہو، قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے جس کا مضمون یہ ہے: اخرج من الجنة لقضاء او طاز ثم یرد الیہا وما اخرج طرداً، دھتکارنے کے طور پر ان کو نہیں نکالا گیا تھا، بلکہ کچھ مقاصد تھے جن کی تکمیل نکلنے پر موقوف تھی، اس لئے ان کو جنت سے باہر نکالا گیا تھا، تو یہ ہجرت تو ہماری آبائی چیز ہے اور اس پر کمال انسانی موقوف ہے، لہذا طالب علم کو یہ چاہئے کہ وہ ہجرت کا مضمون سامنے رکھے اور اس کے بعد ابوالانبیاء سیدنا ابراہیمؑ کو عراق سے نکال کر شام میں لا کر بسا دیا گیا، اور اس کے بعد (یعنی) سید الانبیاء کے بعد سیدنا اسمعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اضطراری طور پر ہجرت کرائی گئی، حضرت ابراہیمؑ نے ان کو شام سے نکال کر حجاز بلکہ مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ زمین میں لا کر بسا دیا اور پھر اس کے بعد سید الانبیاء و آخر الانبیاء، و خیر الانبیاء و سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات الی آخر الابد کو مکہ مکرمہ سے نکال کر مدینے میں بسا دیا گیا، کیونکہ اس نکلنے ہی پر اسلام کا فروغ و ترقی موقوف تھا، اس کا انتشار موقوف تھا، لہذا طالب علم کو ہجرت کا مضمون

سامنے رکھنا چاہئے، اور ہجرت کے اندر تین باتیں اپنے سامنے ہونی چاہئیں۔

پہلی بات تو ہے ہجرت الاوطان، وطن چھوڑنا چاہئے، طالب علم اگر چاہے گھر پڑا رہے اور امام الدہر ہو جائے ناممکن ہے، بلکہ اس کو وطن چھوڑنا ہوگا، وطن سے نکلنا پڑے گا، یہی سنت صحابہ ہے، یہی حضرات محدثین کی سنت ہے، دیکھئے حضرت جابر بن عبد اللہ بن انیس کے یہاں ایک حدیث کے لئے مدینہ سے شام پہنچتے ہیں، پورے ایک ماہ کی مسافت طے کرتے ہیں، اور آکر مسئلہ پوچھتے ہیں، اسی کو اصطلاح محدثین میں رحلت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی سفر کرنا، رخت سفر باندھنا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور محدثین نے تو اس میں ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ کیا کہنا ہے، امام بخاریؒ نے شاید ہی کوئی علمی شہر ایسا ہوگا جسے چھوڑا ہو، یہاں کی زبان میں سارا کھانچ کے رکھ دیا، سمجھے سب جگہ پہنچ گئے، یہاں وہاں، امام ابو حاتم رازیؒ کا قصہ یہاں قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ جب میں طلب حدیث کیلئے نکلا تو میں نے میل گئے شروع کئے اور پیدل چل رہے تھے، ایک ہزار میل جب مکمل ہو گئے تو گنا چھوڑ دیا، اور جب دوسرا سفر ہوا تو صاحبزادے بھی ساتھ ساتھ تھے، امام عبد الرحمن بن ابی حاتم نابالغ تھے، باوانے بیٹے کو ساتھ کر لیا تھا سفر کرتے رہے، خود ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ جب ایام حج میں اپنے والد کے ساتھ چلا اور ذوالحلیفہ میں رات گزاری تو مجھ کو احتلام ہو گیا، میں نے اپنے والد سے ذکر کیا فرماتے ہیں: فسرّ ابی ذلک لا دراکى حجة الاسلام او کما قال، یعنی میرے والد کو اس پر بڑی مسرت ہوئی کہ مجھ کو حجة الاسلام مل گیا یعنی فریضہ اسلام ادا ہو گیا، اس زمانہ میں حج کرنا آسان نہیں تھا، امام ابو عبد الرحمن بن ابی

حاتم نے طلب حدیث میں کیسی مشقتیں برداشت کی اس کا تو اس واقعہ سے اندازہ لگا لیجئے اس کے ساتھ ان کو سنت سے کتنی شینگی تھی میں اس پر ایک قصہ سناتا ہوں، ابن ابی حاتم ایک مرتبہ سمندر کا سفر کر رہے تھے ان کو احتلام ہو گیا، فجر کا وقت اور وہاں کا علاقہ الامان والحفیظ، ٹھنڈک وہاں کی ساتھیوں سے فرمایا: میری کمر میں رسی باندھ دو مجھ کو پانی میں ڈالو، اور دیکھو ایک دم نہ ڈال دینا، ان کو ڈال دیا گیا، پہلے انہوں نے کپڑا اور بدن پاک کیا، پھر وضو کیا، وضو کر لینے کے بعد فرمایا کہ اچھا اب رسی ڈھیلی کر دو اور اس کے بعد پانی میں غوطے لگائے اور نکالے گئے، آج کل کے لوگ ہوتے تو نہ معلوم کیا کرتے، حافظ ابوالفضل بن طاہر کہتے ہیں بُلْتُ دماً فی طلب الحدیث مرتین، مجھ کو طلب حدیث میں دو مرتبہ خون کا پیشاب آیا ہے۔

یہ لوگ کیسے چلتے تھے؟ اور کتنے اسفار کرتے تھے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اور انہوں نے جیسے جیسے مجاہدے کئے ہیں ہمارے تصور سے باہر ہیں، امام بخاریؒ کے متعلق تو آپ لوگوں نے سن لیا ہوگا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں حجرے میں نکل ہی نہیں رہے ہیں کیا بات ہے؟ کچھ پاس نہیں ہے، ساتھی آتے ہیں معلوم کرتے ہیں کہ ننگے پڑے ہیں جب ان کیلئے کپڑا خرید کر لائے پھر وہ باہر نکلے۔

مجھے اس وقت نام یاد نہیں ہے تین ساتھی تھے محدثین کے، مصر میں تھے، طلب حدیث میں مشغول تھے، راستے میں جا رہے تھے خوبصورت مچھلی مل گئی کہنے لگے خرید لو، کھائیں گے چل کے خرید کے لا کے رکھ دیا لیکن مقابلہ کرنا تھا احادیث کا، مقابلہ میں لگ گئے، جب مقابلے سے فارغ ہو گئے تو دوسرے محدث کے ہاں جانے

کا وقت آ گیا غرض اسی طرح سے تین دن وہ مچھلی پڑی رہی، کہنے لگے بس کچی ہی کھا لو، کچی ہی کھا لیا۔

تو طالب علم کے لئے تحصیل علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ وطن ترک کرے، اور دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مالوفات، راحت و آرام کو ترک کرے بغیر مشقت کے علم حاصل نہیں ہوتا ہے، آپ کو ننگے پیر بھی چلنا پڑے گا، پھٹے پرانے کپڑے بھی پہننے پڑیں گے اور فاقے در فاقے کرنے پڑیں گے، پرانے لوگوں نے تو کیسے فاقے کئے ہیں؟ اس کو تو اللہ جانتا ہے عبدالرحیم کشمیری ایک لڑکا ہمارے یہاں پڑھتا تھا، ان کے والد حضرت مولانا سید عبدالولی صاحب حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں ہیں دہلی میں پڑھتے تھے تو ایک ہفتے تک کھانے کو نہیں ملا، ایک آدمی کتے کو روٹی ڈالنے کے لئے آیا انہوں نے جھپٹ کے روٹی لے لی، تو وہ ناراض ہونے لگا بس ان کے منہ سے نکل گیا انسان بھوکے ہیں اور آپ کتوں کو روٹی دے رہے ہیں۔

سید زادے تھے اس کے اوپر اثر ہوا اپنے گھر لے گئے کھانا دانا کھلایا پھر فارغ ہو کے حضرت اقدس تھانوی کے یہاں آئے۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگوں کو راحت و آرام بھی چھوڑنا پڑے گا، جبھی طالب علم حقیقی طالب علم ہوتا ہے، یہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم جو یہاں موجود ہیں اپنے واقعات کا اخفاء کرتے ہیں، میں نے ان کی خدمت میں گزارش کی حضرت ایسا نہ کیجئے کیونکہ آپ کے واقعات لوگوں کیلئے سبق آموز ثابت ہوں گے، اللہ کرے انشراح ہو جائے اور اپنے واقعات سنائیں، اے

بھائی! اور پیوند لگانا تو کوئی ایسی بات نہیں سبھی پیوند لگائے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور ننگے پاؤں پھرتے ہیں، خاص طور سے ہمارے پورب کا علاقہ تو ننگے پاؤں چلنے کے عادی ہیں، ہم تو بھائی کبھی جوتا پہن کے جاتے تھے ورنہ وہی ننگے پاؤں مدرسے آنا مدرسے جانا، تو دو چیزیں ہوئیں ایک تو ترک وطن، ہجرت وطن، دوسرے ہجرت مالوفات و راحت و آرام اور ایک تیسری چیز جو سب سے اہم ہے اور وہ ہے ہجرت المعاصی، معصیت کو چھوڑ دینا، والمہاجر من ہجر مانہی اللہ عنہ ورسولہ معصیت چھوڑنے سے علم میں نور پیدا ہوتا ہے، کسی کا شعر ہے

شکوٹ الی و کعب سوء حفظی

واوصانی الی ترک المعاصی

وأخبرنی بأن العلم نورٌ من الہی

ونور اللہ لا یعطی لعاصی

بہت سے احناف نے اپنے یہاں اسے امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے، اس نسبت کا میری معلومات میں کوئی وجود نہیں ہے، یعنی یہ چیز پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتی نہ دیوان امام شافعی میں اس کا تذکرہ ہے، اور نہ محققین شافعیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور سوء حفظ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، جب کہ امام شافعی اپنی نوعمری میں مؤطا حفظ کر کے امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں آپ سے مؤطاء پڑھنا چاہتا ہوں، امام مالکؒ حسب عادت کہتے ہیں کسی پڑھنے والے کو بلاؤ، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سن لیجئے اگر میری قرأت پسند ہو تو میں پڑھ لوں امام شافعی قرأت کرتے ہیں امام پسند فرما لیتے ہیں، پھر حضرت امام شافعیؒ قرأت فرماتے ہیں۔

اے بچو! ان تین چیزوں کو تو لازم کرنا چاہئے کہ آدمی وطن ترک کرے اور راحت و آرام کو چھوڑے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بالکل بے تعلق ہو جائے، میں نے حضرت اقدس شاہ وحی اللہ صاحب کا ایک ملفوظ سنا جو حضرت کی شانِ عالی کے مناسب ہے، فرمایا کہ مجھے مجاہدے کی ضرورت نہیں پیش آئی جب بھی معلوم ہوا کہ یہ چیز ناپسندیدہ ہے اسی وقت چھوڑ دیا، تو وہ اپنے بہت بڑے مقام سے بول رہے ہیں، لیکن بہر حال انسان تقلید کر سکتا ہے۔ اور اب آخری مناسبت متن کی ہے، متن حدیث میں یہ مناسبت ہے کہ امام بخاریؒ نے حدیث اعمال سے کتاب شروع کی اور حدیث وزنِ اعمال پر کتاب ختم فرمادی، یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نیت سے ابتداء کی جو عمل کی ابتداء ہے، اور وزنِ اعمال پر کتاب ختم فرمادی جو عمل کی انتہاء ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نیت سے شروع کیا اور اسی پر ختم کر دیا، اس لئے کہ ثقل، اعمال، احسانِ نیت پر موقوف ہے اور اخیر میں ایسی روایت لائے جس میں تسبیح کا ذکر ہے اس لئے کہ تسبیح یہ کفارة المجالس ہے، امام بخاریؒ مجلس تصنیف ختم کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے اس روایت کو اخیر میں ذکر فرمایا، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں وزنِ اعمال کا ذکر ہے اور اعمالِ حسنہ کے ثقل کا ذکر ہے اور اعمالِ حسنہ کے ثقل کے بعد انسان جنت میں جاتا ہے اور جنت میں تسبیح و تحمید ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **دعوهم فیہا سبحانک اللہم وتحیتہم فیہا سلام و آخر دعوهہم ان الحمد للہ رب العلمین**۔ اس لئے کتاب کو تسبیح و تحمید پر ختم فرمایا، جس سے کفارة مجلس کی طرف اشارہ فرمایا، **سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک**۔

طلبہ سے خطاب

شوال ۱۴۲۵ھ تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین مظاہری ندوی دامت برکاتہم کی دعوت پر جامعہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی ان کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی تشریف لے گئے وہاں طلبہ سے خطاب فرمایا، حضرت شیخ الحدیث صاحب کا یہ خطبہ افادہ عام کے لئے نذر قارئین ہے (مرتب)۔

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام

على محمد خاتم النبيين وعلى من تبعه اما بعد!

قال النبي صلى الله عليه وسلم الراحمون يرهمهم الرحمن

تبارك وتعالى ارحموا من في الارض يرهمكم من في السماء (رواه

ابو داؤد والترمذی)۔

یہ حدیث مسلسل بالا ولیہ ہے اور حدیث رحمت کے نام سے مشہور ہے اور جہاں بھی کہیں جانا ہوتا ہے ختم یا افتتاح کے سلسلہ میں تسلسل بالا ولیہ کو قائم رکھنے کی غرض سے اس کو سنایا جاتا ہے۔ حضرت مولانا تقی الدین صاحب نے ازراہ تعلق و محبت دعوت دی یہ ناچیز حاضر ہوا اس لئے یہاں بھی اس کو سنایا گیا تاکہ آپ حضرات کا تسلسل بالا ولیہ قائم ہو جائے اور ممکن ہے کہ اخلاف کی برکت سے ان کے اسلاف کو فائدہ پہنچے، میری مراد یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی اللہ کا نیک بندہ اس کو سن لے اور اللہ اس سے اپنا سلسلہ جاری فرمائے، اور اس میں میری بھی شرکت ہو جائے، یہ حدیث شریف میں نے

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے سنی اور حضرت نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے اور انہوں نے حضرت اقدس مولانا عبدالقیوم بڑھانویؒ سے انہوں نے حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ سے انہوں نے اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے سنی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی پوری سند ”الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین“ میں جو ان کا ایک رسالہ ہے مسلسلات کے سلسلہ میں ازاول تا آخر ذکر کی گئی ہے، اس کا تسلسل سفیان بن عیینہ تک پہنچتا ہے، اس کے بعد اولیت نہیں پائی ہے، بعض رواۃ سے عداً یا سہواً غلطی ہو گئی ہے اور انہوں نے آخر تک تسلسل قائم کر دیا ہے، یہ حدیث میں نے اور بھی کئی مشائخ سے سنی ہے جن میں احمد فلاش شامی، احمد بن عبداللہ، اس دور کے ان اکابر مسندین میں ہیں کہ میری معلومات میں ایسا وسیع الاسناد شیخ اس دور میں کوئی نہیں تھا، میں نے ان کا زمانہ پایا اور ان سے حدیث سننے کی نوبت نہیں آئی، یہ وہی بات ہے جس کو محدثین کرام اپنے مختصر لفظ میں ادا کرتے اور کہتے ہیں ”السماع رزق“ حدیث کا سننا بھی روزی ہے، جیسے روزی مقدر سے ملتی ہے ایسے ہی سماع الحدیث بھی مقدر ہی سے ملتا ہے اور اسی ضمن میں یہ بات آتی ہے کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد کا زمانہ سن شعور کی حالت میں پایا لیکن ملاقات مقدر نہیں تھی نہیں ہو سکی، اس کا مجھ کو ساری عمر قلق رہے گا کہ ان دونوں اکابر سے میری ملاقات کیوں نہیں ہوئی، لیکن آخر یہی چیز تسلی کی بنتی ہے کہ تقدیر میں نہیں تھی، تقدیر کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ و قدرت سے ہے سارا کارخانہ ہست و بود اسی کے تابع ہے، یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں، لیکن رنج ہمیشہ رہتا ہے، اس لئے بچو تم کو یہ چاہئے

کہ اپنے بڑوں کا ادب کرو اکابرین اہل علم سے ربط رکھو کوئی آئے تو انکا اکرام کرو ان سے حسب موقع استفادہ کرو، معلوم نہیں پھر ملاقات ہو یا نہ ہو اور ساری عمر میری طرح افسوس کرو کہ ہم نے موقع کو غنیمت کیوں نہیں جانا اس سے فائدہ کیوں نہیں جانا اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا، حدیث مسلسل بالاولیہ کا دوسرا نام حدیث رحمت ہے اس لئے کہ اس میں رحمت کی ترغیب آئی ہے اور یہ سارا کارخانہ حیات رحمت ہی کا اثر ہے۔ اگر رحمت الہی کا ربط نہ ہوتا مخلوقات سے تو نہ اس کا وجود ہوتا اور نہ بقاء ہوتا وجود و بقاء سب رحمت کے مرہون منت ہیں، اللہ نے اپنی رحمت کا اظہار کیا تو مخلوق کو پیدا کیا اور رحمت کے تسلسل سے مخلوق کو بقاء مسلسل حاصل ہوا، بہر حال یہ تو ایک بہت بڑا مضمون ہے رحمت ہی کی وجہ سے والدین اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور سعادت مند بچے ماں باپ کے ساتھ اچھے طریقہ سے پیش آتے ہیں، اساتذہ اپنے تلامذہ کو اچھی طرح سے تعلیم دیتے اور ان کی تعلیم و تفہیم اور تادیب و تہذیب کی پوری کوشش کرتے ہیں، یہی وہ رحمت ہے جو ہر جگہ کارفرمائی کئے ہوئے ہے اور صاحب انتظام اپنے انتظام میں لگے ہوئے ہیں، اور ان کے اندر اصلاح ادارہ کا جذبہ جوش مارتا رہتا اور ان کی فکر لگی رہتی ہے کہ مدرسہ میں فلاں چیز کی ضرورت ہے فلاں کام کی ترتیب یہ ہونی چاہئے۔

غرض یہ ہے کہ رحمت ہی کی ہر جگہ کارفرمائی ہے، اس حدیث شریف سے طلبہ کو سبق ملتا ہے کہ اپنی کوشش انسان کو نفع رسانی کی غرض سے ہونا چاہئے، ہمیشہ اخلاف نے یہ کوشش کی کہ اسلاف سے یہ حدیث اولاسن لیں اور یہ مسلسل آج تک دنیا میں قائم ہے اور تقریباً چودہ سو تیس سال سے مسلسل سماعت ہو رہی ہے، اگر تم اپنی زندگی میں کوشش کرو گے تو تم کو علم کا کچھ حصہ مل جائے گا، جیسے مسلسل بالاولیہ کے سننے کا شرف

ان لوگوں کو حاصل ہو گیا جنہوں نے تسلسل بالا ولیہ کے حاملین سے سماعت کی کوشش کی، کوشش کر لینا مسلسل بالا ولیہ کی سماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ہی مقاصد کے ساتھ اس کا ربط ہے، دین و دنیا کا سارا کام کوشش کے ساتھ انجام پاتا ہے، اگر آپ لوگ کوشش کریں اور علم حاصل کریں اور اس میں اس کے مقدمات کا بھی اہتمام کریں تو آپ کو علم حاصل ہو سکتا ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ”لا یفلح من طلب العلم بالتملل وغنی النفس ولكن من طلبه بذلة النفس وضيق العیش وخدمته العلم افلح“ اگر کسی شخص میں دو وصف ہوں تو وہ طالب علمی کے میدان میں ناکام رہے گا۔

۱۔ تملل: یعنی اکتانا، استاذ بیان کر رہا ہے اور آپ دل دل میں سوچ رہے ہیں ایک ہی بات ہے اکتانا یا آپ کسی اپنی غرض میں مست ہیں اس کا خیال آپ پر مستولی ہے آپ سوچ رہے ہیں کہ کیا فضول بات کر رہے ہیں مجھے یہ کام ہے ایسا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوتا ہے، ہر چیز کو چھوڑ کر جب آپ علم کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر لیں گے پھر آپ کو اس میدان میں کامیابی ملے گی۔

۲۔ وغنی النفس: استغنائے نفس نہ ہونا چاہئے، درس ہو رہا ہے آپ کسی اور کام میں مصروف ہیں، کسی نے ٹوکا کہ درس کا وقت ہے آپ کیا کر رہے ہو آپ نے اس کے جواب میں کہہ دیا کہ اپنی نصیحت کو چھوڑو بعد میں مطالعہ کر لیں گے، یہ ہے استغناء نفس، ایسا طالب علم کبھی فلاح نہیں پاتا ہے، درس کا جب وقت آجائے تو ہر چیز کو پیچھے ڈال کر درس میں حاضری کی کوشش کریں، الایہ کہ کوئی ایسی مجبوری و معذوری ہو کہ

جس کو آپ دفع کر نہیں سکتے ہیں اور اس کے ساتھ اگر حاضر ہوں تو آپ کو مشکلات پیش آئیں، جیسے بہت بیمار ہو جائیں، استغنائے نفس نہ ہونا چاہئے اور ترک استغناء کے متعلق ایک ضمنی قصہ ہے کہ ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گیا سبق میں نہیں گیا، حضرت شیخ تشریف لائے اور فرمایا کہ تو میرے ہی پاس آ کے پڑا رہتا، آئندہ روز میں نے ایک طالب علم سے کہہ دیا کہ جب حضرت تشریف لائیں تو مجھے اطلاع کر دینا آئندہ روز جب حضرت آئے تو ایک طالب علم آیا اور کہنے لگا کہ حضرت آگئے ہیں، حضرت اس زمانہ میں اپنے اعذار کی وجہ سے دفتر کی شمالی سہ دری میں درس دینے لگے تھے، میں دفتر کی جنوبی سہ دری کے ایک حجرہ میں جو حضرت ناظم صاحب کے حجرہ نظامت کے دائیں طرف واقع ہے مقیم جس میں مجھ سے قبل مولانا تقی الدین صاحب کا قیام تھا میں چادر لپیٹ کر چلا تو مجھے اب تک یاد ہے، حضرت نے فرمایا ہٹو اس کو جگہ دیدو ہٹو، اس کو جگہ دیدو، واقعی میرے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ سیدھا بیٹھ جاتا، بخار تھا میں نے اپنے آپ کو دو تپائیوں کے اوپر ڈال دیا مجھ کو تو یاد نہیں بعد میں میرے رفیق درس مولوی سید شجاع الدین حیدر آبادی مرحوم نے بتایا کہ تیرے آنے سے پہلے حضرت نے جو کچھ بیان کیا تھا آنے کے بعد اس کا اعادہ فرمایا تھا، یہ میرے لئے بڑے شرف کی بات ہے کہ بڑے اس طرح سے اکرام کر رہے تھے، حافظ ابن حجرؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ”کان اذا جاء مجلس العراقی تزحزح حوالہ“ جب عراقی کی مجلس میں آتے تو لوگ ان کے لئے جگہ کشادہ کر دیتے تھے، میں نے کہا کہ بھئی نہ سہی پورا ادھورا ہی سہی، حضرت کی برکت سے تزحزح حوالہ میرے لئے تھوڑی سی جگہ کشادہ ہوئی، آج حضرت کا شغف علم دیکھئے

اپنے شاگرد کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ شوق سے پڑھ رہا ہے تو فرما رہے ہیں کہ میرے پاس آ کے لیٹ گیا ہوتا یہ کیا چیز ہے وہی ہے توجہ الی العلم اور میں نے بھی یہی اپنے حق میں مناسب سمجھا کہ ہزار بخار سہی حضرت نے فرمایا ہے تو مجھے جانا چاہئے، میں حاضر ہوا اور حضرت کی بڑی عجیب و غریب برکت ظاہر ہوئی، پہلے تو میں تپائی پر سینہ رکھے ہوئے بے جان سا پڑا رہا تھا اس کے دو تین منٹ بعد پھر سیدھا بیٹھ گیا، اگلے دن اچھا ہو گیا یہ ان اکابر کی برکت تھی، بچو! استغناء سے پرہیز کرو، یہ بڑا ہی مضرت طریقہ ہے، امام شافعیؒ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب کسی میں تین اوصاف ہوں تو وہ فلاح پائے گا۔

۱۔ ذلت نفس: نفس کی ذلت کیا ہے؟ طلب علم میں مشقت برداشت کرنا، اصحاب علم کے سامنے حسن ادب سے پیش آنا اور اپنے نفس کے ترغیب کو چھوڑنا اس کو توڑ دینا، اگر استاذ آگیا آپ کھڑے ہو جائیں، اگر استاذ نے کوئی بات کہی تو آپ سر جھکا لیجئے، اگر کسی غلطی پر سرزنش کی اگرچہ آپ حق پر ہوں خاموش رہئے، پھر اس کی آپ برکات دیکھیں گے میں اس سلسلہ میں اپنے قصے سنانا نہیں چاہتا اس میں تو قصے در قصے ہیں تمہیں میں کہاں تک سناؤں گا تم خود اپنے لئے اخلاص کا راستہ تجویز کر لو اپنے اساتذہ کی گرمی برداشت کرو، ان کی سرزنش اور سختی بلکہ مار پیٹ کو برداشت کرو، پھر دیکھو کتنی برکت ہوتی ہے اور میں تو مار پیٹ کا بہت قائل ہوں، لوگ ناواقف ہیں اس لئے سمجھتے ہیں کہ مارنا پیٹنا یہ تعلیم کے منافی ہے، ہمیشہ سے بچو یہ سلسلہ آ رہا ہے، حضرت جبریلؑ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کو تین مرتبہ پکڑ کر دبایا، تیسرے نمبر کی حدیث جو اس باب میں آئے گی اس میں یہ قصہ وارد ہے آپ پڑھیں گے، ابو القاسم سہیلی نے لکھا ہے کہ قاضی شریح نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ شاگرد کو استاذ قرآن کی تعلیم میں تین مرتبہ سے زیادہ نہ مارے، اس

استنباط کی ان کو ضرورت کیوں پیش آئی معلوم ہوتا ہے کہ استاذ کا شاگرد کو سزا دینا ایک امر متعارف تھا اس کے لئے سنت سے انہوں نے ایک دلیل تلاش کر لی، بخاری شریف میں صفحہ نمبر ۳۲۶ پر ہے ”وقید ابن عباس عکرمہ علی تعلیم القرآن والسنن والفرائض“ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ عکرمہ کہتے ہیں ”کان ابن عباس یجعل فی رجلی الکیل یعلمنی القرآن والسنۃ“ عکرمہ کہتے ہیں سیدنا ابن عباسؓ میرے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیتے مجھے قرآن و سنت کی تعلیم دینے کیلئے، بیڑی ڈالنے سے آلم ہوتا ہے لیکن ابن عباس سمجھ رہے تھے کہ یہی کرنا مفید ہے، انساب الاشراف میں ہے کہ یزید بن معاویہ کو ان کے معلم نے ڈانٹا تھا کہ تجھ کو ماروں گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں مار پیٹ، گرفت ایک متعارف حقیقت رکھتی تھی، اسی کتاب میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بچوں کے اتالیق سے کہا تھا ”ادبہم دونی“ میرے بغیر ان کو ادب دیتے رہنا۔

ہارون رشید کے بیٹے مامون الرشید کو جب اس کے استاذ غالباً ابن سکیت نے مارا پیٹا تو یہ بیٹھا رو رہا تھا وزیر برکی آیا تو اس نے جلدی سے منہ پوچھا اور باہر گیا استاذ ڈر گئے کہ میری شکایت نہ کر دی ہو، مامون واپس آیا تو استاذ نے فرمایا کہ آپ نے میری شکایت تو نہیں کی مامون نے آب زر سے لکھنے کے قابل جملہ کہا تھا کہ اگر آپ اس طرح دن میں میرے ساتھ سو بار کریں تو میں رشید سے شکایت نہیں کروں گا، یہ کون ہوتا ہے رشید سے مراد خلیفہ ہارون رشید ہیں، ابن الابار نے ”معجم“ میں لکھا ہے کہ ہشام بن عمار امام مالک کے یہاں پہنچتے ہیں بے وقت سوال کرتے ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں ”ادفعوہ واضربوہ“ جب سترہ کوڑے پڑ گئے تو امام نے فرمایا العلک ”آذیتک

ہذہ“ تو انہوں نے کہا کہ میرے والد نے تو اپنا مکان بیچ کر مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ میں آپ سے کچھ استفادہ کروں، حضرت امام مالکؒ ایک دم نرم پڑ گئے اور فرمایا ”تقدم“ آگے بڑھ اور پھر سترہ حدیثیں زبانی سنائیں، یہ علم کا اثر ہے، امام شافعیؒ جیسے انسان موطا حفظ کر کے جب امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کسی کو بلاؤ جو کتاب پڑھے، حضرت امام شافعیؒ عرض کرتے ہیں میں پڑھتا ہوں، حضرت سن لیں اگر پسند آجائے تو میں پڑھ لوں گا ورنہ کسی کو بلالوں گا، حضرت امام مالکؒ اجازت دیتے ہیں امام شافعیؒ عبارت پڑھتے ہیں، سماں باندھ دیتے ہیں، امام شافعیؒ تو امام شافعیؒ تھے قریشی النسل تھے امام مالکؒ راضی ہو گئے، پوری کتاب پڑھی لیکن بہر حال ہشام بن عمار کو جو رواۃ بخاری میں ہیں یہ شرف ہے کہ امام مالکؒ نے ان کو سترہ حدیثیں سنائی ہیں زبانی کیوں سنائی اس لئے سنائی تھی کہ امام کے کوڑے کو برداشت کر لیا اور اپنے والد کا ایک جملہ کہہ دیا کہ انہوں نے اپنا گھر بیچا تھا آپ کی خدمت میں ادب سیکھنے کیلئے، تو بچو تم یہاں جو آئے ہو ادب سیکھنے کیلئے علم حاصل کرنے کیلئے آئے ہو اگر یہ جذبہ تمہارے اندر ہوگا تو پھر سترہ ہی نہیں اس کا دو گنا کرنا بھی اگر پڑ جائے گا تو تم برداشت کر لو گے ”تہذیب التہذیب“ میں لکھا ہے کہ محمد بن مسلم بن دارہ محدث نے سلمان شاذکونی سے بات کی جو ان کو پسند نہیں آئی تو شاذکونی نے ان کو کوڑے مارے، معلوم ہوتا ہے کہ مارنا پیٹنا ایک متعارف حقیقت رکھتا تھا، ہمیشہ اساتذہ مارتے تھے اور تلامذہ اس کو بشاشت کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ یہ علم درجہ بدرجہ اسلاف سے اخلاف کی طرف منتقل ہوتا رہا، انگریزوں نے یہ سوچا کہ یہ

اسلامی تہذیب ہے اس کو ختم کر دنا کہ طلبہ میں آزادی آجائے وہ کسی کی نہ سنیں یہ علم نبوت پوری طرح سے آئندہ منتقل نہ ہو، نہ لوگ صحیح یاد کریں اور نہ صحیح طور سے اس پر عمل کریں، علم ادب سے آتا ہے اور ادب ہی والا علم انسان کو عمل کی طرف کھینچتا ہے، آپ لوگوں کو ضرورت ہے کہ آپ اپنے اساتذہ کی سرزنش اور ان کی سزا اور مار کو نہایت خوش دلی کے ساتھ برداشت کریں نا چیز پانچ مرتبہ مارا پیٹا گیا، ایک مرتبہ ایک لڑکے کو ”نٹ“ کہہ دیا اس نے مولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادی سے شکایت کر دی اور دوسری بار دعاء کی متعارف تعلیل ”واو واقع ہو اطرف میں، الف کے بعد اس کو ہمزہ سے بدل دیا“ چھوڑ کر ایک نئی تعلیل شروع کر دی، مولانا نے میری تعلیل شروع کر دی اور بہت پیٹا اور تیسری بار مولانا ناراض تھے ان ایام میں میں معتوب تھا مقامات میں ایک جگہ پڑھ دیا مولانا نے ایک تھپڑ میرے سر پر مارا ایک دم آنسو کتاب پر گرے مولانا نے فرمایا ایک تھپڑ اور آنسو، بچو ایک تھپڑ پر آنسو نہیں گرا، آنسو گرنا اس بات پر تھا کہ مولانا ناراض ہو گئے تھے پھر جب راضی ہو گئے تو ہفتہ بھر کے سبق کا اعادہ کرایا یہ تھی ان کی عنایت، چوتھی بار عشاء کے بعد کبڈی دیکھنے چلا گیا مولانا کے بکس کی کنبی ہم خدام کے پاس تھی زیادہ انتظار کی وجہ سے ناراض ہوئے، پانچویں مرتبہ ایک استاذ کی نقل اتار رہا تھا مولانا نے سب کچھ سن لیا اس وقت بہت مارا، سر ہی پر جوتے مار رہے تھے اور مجھے کوئی شکوہ یا ناراضگی تو کیا ہوتی میرے دل میں تو یہ خیال تھا کہ اب مولانا صبح کو وضو کا پانی بھی نہیں لیں گے، لیکن اللہ کا شکر ہے مولانا نے وضو کا پانی لے لیا میرا سب غم ختم ہو گیا، بچو استاذ کی مار کو برداشت کرو اور اساتذہ کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ بقدر ضرورت سزا دینی

چاہئے، یہ نہیں کہ بس پیٹے چلے جا رہے ہیں جیسی غلطی ویسی سزا، اور وہ بھی اس کو دبیجائے جو سزا برداشت کرتا ہو اور فتنہ نہ پیدا کرتا ہو، اور ایسا ویسا شاگرد ہو تو اس کو کچھ نہ کہا جائے، اساتذہ اس میں بڑی غلطی کرتے ہیں کہ نا اہل کو مارتے پیٹتے ہیں میں بھی کبھی کبھی مارا کرتا تھا اس کے بعد اپنا محاسبہ کرتا اور معلوم ہو جاتا کہ میں نے جرم سے زیادہ مار دیا تو بلا کر معافی مانگتا، طلبہ کے سامنے بھی معافی مانگتا تھا پھر کبھی کوئی چیز کھانے کی ہوتی تو کھلا دیتا تھا، اگر کچھ پیسے ہوتے تو دیدیتا تھا اور خوش کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک بچہ گھوم کر آیا اور جانب ایسر سے دو ادینے لگا اس پر اس کو ایک تھپڑ مارا اس کے کان پر لگ گیا میں گھبرا گیا بقدر جرم مارنا چاہئے اور یہ تمہاری سعادت ہے کہ تم اپنے بڑوں کی مار پیٹ کو برداشت کرو، اور ان کی سرزنش کو نہایت ہی کشادہ دلی کے ساتھ سنو اور اس کے ساتھ ایک چیز اپنے اوپر لازم کر لو اپنے اوقات کو مشغول کر لو پھر تم کو مار پیٹ کی ضرورت نہیں پیش آئے گی، بہت سی مشکلات ناپسندیدہ امر میں اشتغال، ترک مطالعہ و مذاکرہ کا سبب بنتے ہیں جن پر زد و کوب اور سرزنش کا مرتکب ہوتے ہیں، آدمی کو ضروریات سے فراغت کے بعد مشاغل درسیہ میں لگ جانا چاہئے مطالعہ کرے آموختہ دیکھے مذاکرہ و تکرار کرے، اب مختصر سی بات اصل موضوع سے متعلق سنئے جس کے لئے اس مجلس کا انعقاد ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم کی اہمیت اور اس کا مقصد

خطاب شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جون پوری متوفی ۱۴۳۸ھ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى! اما بعد!

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم آیت:

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون تلاوت فرمائی۔

علم نور ہے

عزیز طلبہ اور پیارے بچو علم ایک نور ہے، روشنی ہے، جہل ایک ظلمت ہے تاریکی ہے، نور ظلمت کو ختم کر دیتا ہے ظلمت و تاریکی میں خیر و شر بھلائی و برائی اور نفع و ضرر کا نہ امتیاز ہوتا ہے اور نہ ہی ادراک، اور نور سے راستہ کی خطرناکی کا پتہ چلتا ہے، خیر و شر میں امتیاز ہو جاتا ہے اس لئے انسان اس سے بچتا اور پرہیز کرتا ہے، اسی لئے عالم و جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے، اسی کو قرآن پاک میں فرمایا ہے: قل هل يستوى الذين يعملون والذين لا يعلمون (الزمر) اس آیت میں علم کی فضیلت کو واضح فرمایا ہے آیت کے ابتدائی حصہ میں عمل کا تذکرہ ہے اور اس حصہ میں علم کا، امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے اعلم ان هذه الآية دالة على اسرار عجيبة فاولا انه بدأ فيها بذكر العمل و ختم فيها بذكر العلم۔

عمل تو قنوت، سجود، قیام ہے اور علم سے جہالت جیسی برائی کے خاتمہ کی طرف لطیف اشارہ ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیت کی تکمیل کا انحصار علم و عمل کی

جامعیت پر ہے، فالعمل هو البداية والعلم والمكاشفة هو النهاية وفيه تنبيه عظيم على فضيلة العلم (تفسیر کبیر)۔

علم خلافت کی بنیاد ہے

علم ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے حضرت آدمؑ کو ملائکہ پر تفوق عطا فرمایا تھا اور انہیں مسجود ملائکہ بنا کر گل پاشی کی تھی، فرشتوں سے جب حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا انسی جاعل فی الارض خلیفة تو فرشتوں نے کہا تھا اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک کہ اے اللہ آپ روئے زمین پر ایسی مخلوق بنانا چاہتے ہیں جو وہاں فتنہ و فساد بپا کرے گی قتل و خونریزی کرے گی ہم تو آپ کی تسبیح و تقدیس اور بڑائی پاکیزگی بیان کرتے ہیں آپ کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور یہی اصل ہے ذات اقدس کا اعتراف ہو اور آپ کی صفات کو تسلیم کیا گیا ہو، اس جواب پر اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا انی اعلم مالا تعلمون میں وہ چیز جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم حق تعالیٰ شانہ نے عطا فرمایا و علم آدم الاسماء کلہا اس بارے میں بہت اختلاف ہے کہ کس چیز کے نام بتلائے، بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگ حشر کے میدان میں ہوں گے عجیب کسمپرسی و نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اس بے کلی کے موقع پر حق تعالیٰ ان کے قلوب میں یہ بات ڈالیں گے کہ تم کسی کو اپنا سفارشی بنا کر پیش کرو، اس وقت سب کے دل میں یہ بات آئے گی کہ آدمؑ ابوالبشر ہیں سب سے پہلے انسان ہیں انہیں سفارشی بنانا چاہئے، سب حضرات خدمت میں حاضر ہوں گے عرض کریں گے انت ابوالبشر و علمک اسماء کل شیء اس وقت اسی وصف کا اظہار کیا جائے گا، سیدنا حضرت عبداللہ

ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، علمہ اسم کل شیء حتی القصعة والمغرة (پیالہ و ڈوئی و کفگیر) بعض محققین نے تو یہ لکھا ہے کہ تمام اشیاء کا نام خواص اور ان کی حکمتیں سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دی تھیں، اخبرہم بكل الاشیاء وسمی کل شیء باسمہ و ذکر حکمتہ الی خلق لہا (مختصر ابن کثیر ج: ۱ ص: ۵۲)۔

عزیز طلبہ اسی خاص وصف کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کے لئے انسان کو منتخب فرمایا ہے اور فرشتوں کے روبرو اس کی تاجپوشی کر کے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

علم پیغمبروں کی وراثت اور اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے

حقیقت یہ ہے کہ انسان جو علم حاصل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کو حاصل کرتا ہے اور اپنے ظرف اور اپنی حیثیت و استعداد کے بقدر اسے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے، پھر وہ اسے دوسروں میں منتقل کرتا ہے اس لئے اصل کی خلافت و نیابت کا فریضہ اس انسان کو ادا کرنا ضروری ہے، حق تعالیٰ شانہ خود مخلوق میں آ کر تو یہ تعلیم و تبلیغ کا کام نہیں کر سکتے اس لئے اس فریضہ کے لئے مناسبت تامہ و بے حجانانہ گفتگو ضروری ہے اور خالق و مخلوق میں یہ وصف اور یہ مناسبت نہیں ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں: ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام حجابہ النور لو کشفہ لا حرقت سبحات و جہہ ما انتہی الیہ بصرہ من خلقہ (رواہ مسلم)۔

اس حدیث کے مضمون سے ذہن بعض واقعات کی طرف منتقل ہو گیا ”السنة الجلیہ“ ص: ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ پر کیفیت جلالی کا غلبہ ہوتا تو حجرہ بند

کر کے مشغول ہو جاتے، خواجہ بختیار راشی (کاکلی) اور شیخ حمید الدین ناگوری حجرہ کے دروازہ کے مقابل پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے اور جب خواجہ بزرگ نماز کے وقت باہر تشریف لاتے تو آپ کی نظر پڑتے ہی وہ پتھر راکھ ہو جاتے اور ہمارے سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے متعلق ”امداد المشتاق“ ص: ۵۷ میں لکھا ہے کہ حاجی صاحب نے فرمایا کہ جب میں قصبہ پنجلاہ میں تھا میرے قلب میں گرمی کا جوش تھا اکثر میں تنہا رہتا تھا ایک بار باہر آ کر بیٹھ گیا وہاں ایک آدمی گاؤں کا رہنے والا ذکر و شغل کرتا تھا اس پر جواثر پڑا تو تڑپنے لگا حتیٰ کہ اس جگہ ایک کہار کا آدھ تھا اس میں جا کر لوگوں میں شور و غل مچ گیا لیکن تڑپتے تڑپتے باہر نکل آیا اور کچھ ضرر نہ پہونچا اس واقعہ کا اس نواح میں بڑا شہرہ ہو گیا۔

بچو! جب ان اللہ والوں کے اندر یہ بات ہے تو جو ان کا خالق ہے وہاں کا معاملہ ہی عجیب ہوگا، حقیقت یہی ہے کہ مخلوق خالق سے بے حجاب گفتگو نہیں کر سکتی اسی لئے وحی کا سلسلہ قائم کیا گیا، فرشتوں کو واسطہ بنایا گیا اور سیدنا آدمؑ کو تعلیم و تبلیغ کا کام سونپا گیا تاکہ وہ اس فریضہ کو اور اس علم کو دوسروں تک منتقل کر دیں، خلافت کی علت بھی ان کی علمی قابلیت و صلاحیت ہے اور یہی علم پیغمبر آدمؑ کی وراثت اور اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے۔

علم کیلئے محنت اور ادب شرط ہے

اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آپ کی طرف نظر عنایت ہو تو سب سے پہلے آپ علم حاصل کریں اس علم کے حاصل کرنے کیلئے پہلی شرط محنت ہے اس کے بغیر آپ چاہیں کہ ہم بہترین عالم بن جائیں تو یہ ناممکن ہے اور آپ کی خام خیالی ہے، اکابر کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس علم کیلئے اپنے آرام

وراحت کو توجہ کیا ہے، قربانیاں دی ہیں، فاقے برداشت کئے ہیں، آپ محدثین کی تاریخ پڑھیں کہ انہوں نے کس طرح پیدل اسفار کئے ہیں ابو حاتم رازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار فرسخ پیدل سفر کیا (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے) پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے گناہی چھوڑ دیا اس لئے اگر علم مقصود ہے تو اس کے لئے راحت پسندی سے گریز ضروری ہے۔

دوسری چیز ادب ہے، یہ علم بڑا غیور اور بہت نازک مزاج ہے یہ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس کے مخزن کا بھی لحاظ کرے اس کے ساتھ ادب سے پیش آئے، اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنے مخزن (استاذ) سے بے نیازی حاصل کرے ناممکن ہے، اور بے ادبی ہو تو پھر کامیابی قطعاً نہیں ہو سکتی، استادوں کے ادب و احترام سے علم آتا ہے اس میں برکت ہوتی ہے اور نافع علم آتا ہے، یہ میں اپنے لئے نہیں کہہ رہا ہوں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جنہوں نے بے ادبی کی ان کا انجام کیا ہوا اور جو استادوں کے ہو گئے وہ کس طرح علوم مرتبتی تک پہونچے، ہمارے استاد مولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادیؒ بڑے بابرکت انسان تھے طلبہ پر بڑی توجہ فرماتے تھے جن طلبہ کے حالات نامساعد ہوتے ان کو ہمت دلاتے دعائیں کرتے، ہم بھی ایسے ہی لوگوں میں تھے گھر پر کھیتی ہوتی تھی حالات ایسے نہیں تھے کہ پڑھ سکتے لیکن مولاناؒ نے ہمت بندھائی، سمجھایا اور کوشش کی دعائیں کیں، اللہ کا فضل ہوا پڑھ لیا اس لئے آج آپ یہاں بیٹھا ہوا دیکھ رہے ہیں ورنہ خدا جانے کہاں ہوتے، علم کا مقصد عمل ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دوں کہ علم کی تحصیل مال و جاہ کیلئے نہ ہو،

یہ بڑی خطرناک چیز ہے، اس لئے علم حاصل نہ کیا جائے کہ لوگ مجھے بہت بڑا عالم کہیں میرا اکرام کریں، مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے ”من طلب العلم لیجاری بہ العلم او لیجاری بہ السفہ او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار“ (راہ الترمذی) ترجمہ: یعنی جس نے علما سے مقابلہ و مناظرہ کرنے یا جاہلوں سے جنگ و جدل یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

علم کا کیا مقصد ہے؟

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے: لا تزول قدما عبد حتی یسئل عن خمس عن عمرہ فیما افناہ وعن علمہ فیما فعل وعن مالہ من این اکتسبہ و فیما انفقہ وعن جسمہ فیما ابلاہ (رواہ الترمذی، وقال حسن صحیح)۔

”فیما فعل“ کا مطلب یہ ہے کہ علم کو کس کام میں استعمال کیا اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کا مقصد عمل ہے، قرآن پاک پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ترجمہ: میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔

اس آیت کی تشریح سے یہ معلوم ہو گیا کہ مقصد تخلیق عبادت ہے تو معلوم ہوا کہ اصل مقصد عمل ہے، لیکن یہ بات بھی بدیہی ہے کہ عمل علم کے بغیر ناممکن ہے، اس لئے علم کا سیکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ذریعہ مقصود مقصود ہوتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ تبلیغ

دوسری چیز علم کی تبلیغ ہے، آپ حضرات نے مشکوٰۃ شریف میں داری کی یہ روایت پڑھی ہوگی کہ آپ ﷺ نے دو مجلسیں دیکھیں ایک ان افراد کی جو دعاء و تلاوت میں مصروف ہیں اور دوسرے ان افراد کی جو تعلیم و تبلیغ میں مشغول ہیں، حضور اقدس ﷺ نے دونوں کے بارے میں فرمایا: کلاهما علی خیر واحدہما افضل من الآخر، ترجمہ: دونوں خیر کے کام میں لگی ہوئی ہیں، لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔

اور علم والی مسجد میں بیٹھ کر فرمایا ”انما بعثت معلماً“ کہ مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، اس سے تعلیم و تدریس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور یہی تعلیم دینا تبلیغ بھی ہے، اس لئے کہ تعلیم دینا دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے اسی لئے اپنے لئے کبھی نبی اکرم ﷺ نے ”معلم“ کا لفظ استعمال کیا ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا اور کبھی ”مبلغ“، کا، مسلم شریف کی ایک طویل روایت میں ہے: ”ان اللہ بعثنی معلماً میسراً“ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے نرمی کرنے والا ”معلم“ بنا کر بھیجا ہے، اور اسی روایت کے بعض طرق میں ”ان اللہ ارسلنی مبلغاً“ بھی وارد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، جس طرح آپ نے تعلیم دینے کا امر فرمایا، جیسے مالک بن الحویرث اور ان کے رفقاء سے فرمایا: ارجعوا الی اہلیکم فاقیموا فیہم و علموہم (بخاری شریف ص: ۸۸۵)۔

اسی طرح تبلیغ کا بھی امر فرمایا اور ارشاد فرمایا: بلغوا عنی ولو آیۃ (رواہ البخاری) میری طرف سے ایک آیت ہی لوگوں کو پہنچا دو، اور فرمایا: ولیبلغ الشاہد

الغائب (راہ الشیخان) جو موجود ہیں غیر حاضر لوگوں کو پہنچادیں اور موجودہ تبلیغی نقل و حرکت اسی تعلیم و تبلیغ عام کی ایک خاص صورت ہے جس کو عوام کی تعلیم اور اس کی مشق کیلئے اختیار کیا گیا ہے، اس لئے آپ لوگ علم حاصل کیجئے پھر تعلیم و تبلیغ کیجئے، یہی صحیح راستہ ہے، علم ہو، عمل ہو اور دوسروں کی ہدایت کی فکر ہو۔

عمل کیلئے صالح صحبت کی ضرورت ہے

اور عمل کی مشق کا آسان طریقہ یہ ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کی جائے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقین، ترجمہ: اے اہل ایمان تقویٰ اختیار کرو اور صالحین کی صحبت میں رہو۔ كونوا مع الصادقین تقویٰ سکھانے کیلئے فرمایا، صدق کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے ایک مطابقة القول للواقع، خبر کا حقیقت کے مطابق ہونا اور دوسرا تحری الاخلاق المرضیۃ پسندیدہ اخلاق کا اہتمام کرنا، آیت اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو شامل ہے، اس لئے آپ جن کو صالح سمجھتے ہیں جن کے افعال و اقوال اور اعمال کو حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق سمجھتے ہیں جن سے آپ کو اعتقاد ہے ان کی صحبت اختیار کیجئے، ان کی خدمت میں آئیے جائیے، ان سے ادب سیکھئے، بغیر صحبت کے بہت کم آتا ہے، خود آدمی اپنے طریقہ پر علیحدہ رہ کر نہ کوئی چیز پوری طرح سیکھ پاتا ہے اور نہ ہی وہ چیز پوری طرح اس کے اندر تریتی ہے۔

میرے عزیزو! صالح صحبت کے ذریعہ تمہارے علم میں عمل کی چاشنی اور عمل میں برکت و فیض کی حلاوت میسر آئے گی اور پھر تم دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوؤ گے دنیا تمہیں اپنے دل میں جگہ دے گی۔

اپنے ایمان کی فکر کیجئے دنیا کو تمہاری ضرورت ہے

اس وقت دوسری قومیں مسلمانوں کو خرید رہی ہیں ان کے ایمان کا سودا کر رہی ہیں، افسوس وحیرت کی بات ہے کہ ایک قادیانی میرے پاس آیا اس نے ایک بات کہی کہ قادیانیوں کے یہاں نظام ہے کہ ان کا ہر ممبر اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ اپنی تنظیم کو دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ تنظیم کے امور انجام دیتے ہیں اور ہر ممبر کا نام اس کی آمدنی رجسٹر میں درج ہے، اسی سے وہ لوگوں میں گمراہی پھیلا رہے ہیں اور عوام الناس کے دین کو خرید رہے ہیں، ابھی قریب ہی میں ایک بچہ نے آ کر یہ اطلاع دی (خدا کرے یہ خبر غلط ہو) کہ گذشتہ ہفتہ سو سے زائد آدمی قادیانی ہو گئے، سنا ہے ان میں ایک فارغ التحصیل بھی ہے، جب اس کو پکڑ کر سوال کیا گیا تو بہت مجبور ہو کر اس نے بتلایا کہ مال کے لالچ میں قادیانی ہوا ہوں، قادیانی مبلغین کے متعلق سنا گیا کہ وہ بعض وقت فی کس ایک ایک لاکھ روپے تک بھی دیدیتے ہیں اور اگر اس سے بھی زیادہ دے دیتے ہوں تو تعجب نہیں، وہ اپنے غلط مسلک کے پرچار کیلئے سب کچھ اپنی پونجی اور مال و متاع قربان کر رہے ہیں اور ہم لوگ غریبوں کی خدمت، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک میں چند سکے بھی خرچ نہیں کر سکتے، اگر ہم نے توجہ نہ کی اور اپنے اخلاق و کردار سے اپنے حسن عمل سے اپنی پونجی اور اپنے اثاثہ سے غریبوں کی دیکھ بھال نہ کی تو اہل باطل کے لالچ پر آپ کسی قسم کا بھی پہرہ نہیں بٹھا سکیں گے، اور پھر آپ کے ایمان کی طرف بھی دیگر اقوام لپچائی ہوئی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیں گے، اس لئے خدمت خلق اور غربا پروری کا جذبہ بھی پیدا کرنا ضروری ہے۔

مُسابقت عمل میں ہو

میرے عزیزو! ایک آخری بات اور کہہ رہا ہوں علم کی تحصیل کے لئے اساتذہ کی

خدمت، ان کا ادب بھی ہونا چاہئے، اور ساتھ ساتھ محنت بھی کرنا چاہئے، ہمارے اکابر کی ترقی میں اساتذہ کی خدمت ان کا ادب کا رفرما تھا، جس کے نتیجہ میں اساتذہ کی دعائیں ملتی تھیں، آج تو طلبہ کو ہر وقت یہ فکر ہے کہ میرے کپڑے اچھے ہوں، پریس نہ ٹوٹے، میری عجیب شان ہو گھر شادار ہو چشمہ خوبصورت ہو، زیبائش و آرائش ہو اور انہیں خواہشات نے انہیں تعلیمی میدان میں بہت پیچھے کر دیا ہے، تحقیق و مطالعہ کا جذبہ ختم سا دکھائی دیتا ہے، آپ حضرات کو مطالعہ و تحقیق اور قرآن وحدیث فہمی میں مسابقت کرنا چاہئے جس کا محمود و مطلوب ہونا ظاہر ہے اور آئندہ مسابقت فی الخیرات و تحصیل الدرجات کا ذریعہ بن سکتا ہے وفی ذلک فلیتنا فس المتنا فسون (التطفیف)۔

میں ضرورت کیلئے کسی چیز کو منع نہیں کرتا لیکن تصنع کے لئے یہ چیزیں نقصان دہ ہیں، میں خود خوش پوشاک ہوں لیکن بچو! میں التزام نہیں کرتا میں نے کبھی کپڑوں کے لئے قرض نہیں لیا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ میرے پاس صرف ایک ہی پانجامہ تھا ایک دن مفتی عبدالعزیز صاحب نے کہہ دیا کہ وہی پانجامہ جمعہ کو وہی عید پر وہی بقرہ عید کو مجھ پر بہت اثر ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعاء کی، ایک صاحب نے ایک جوڑا کپڑا بھیج دیا پھر اللہ تعالیٰ نے کپڑوں کے بارے میں بڑی وسعت فرمائی، اللہ تعالیٰ ضرورت پوری فرما دیتے ہیں، مجھے زیادہ کپڑے رکھنے سے گھبراہٹ ہوتی ہے، میرے عزیزو! علم و عمل میں مسابقت کا جذبہ ہو، ان تصنعات میں پڑ کر آدمی اوپر سے صاف و شفاف نظر آتا ہے اندر سے نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(بہ شکر یہ: ماہنامہ محمود میرٹھ مارچ و اپریل ۲۰۰۰ء)

علمی باقیات

حضرت مرحوم علیہ الرحمہ کے علمی اور حدیثی جواہر پارے

حضرت مرحوم کے علمی اور حدیثی جواہر پارے المعهد الاسلامی مانک منوسہارنپور سے نکلنے والے ”مجلہ ماہنامہ غار حرا“ میں قسطوار شائع ہو رہے ہیں، خدا کرے کہ افادات و افاضات کا یہ سلسلہ دراز ہو اور پھر کتابی شکل میں اس کی طباعت و اشاعت ہو کر اس کی نفعیت میں مزید اضافہ ہو۔

حضرت مرحوم کے علمی و تحقیقی ارشادات و فرمودات اور فن حدیث شریف پر بیش بہا علمی نکات کا ایک قابل قدر مجموعہ مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری نے بھی مرتب کیا ہے، یہ اپنے عنوانات مثلاً حدیث، فقہ، تفسیر کے اعتبار سے الگ الگ جلدوں میں ہے، اس طرح جن کبار علماء نے آپ سے سوالات و استفسارات کئے ہیں ان کو بھی مفتی صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی سے جمع کر کے مرتب و مدون کر لیا، خدا کرے ان کی بھی جلد از جلد طباعت ہو جائے اور اہل علم ان سے فائدہ اٹھائیں۔

تصنیفات و تالیفات

(۱) تخریج احادیث مجموعہ چہل حدیث۔ یہ مجموعہ مولانا عبدالرحمان جامی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ملا علی قاری مولانا قطب الدین صاحب مظاہر حق، مولانا مفتی عنایت احمد صاحب توارخ حبیب الہ۔ مولانا محمد حسین صاحب فقیر رحمہم اللہ تعالیٰ کی مرتب کردہ احادیث کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں جن احادیث کی تخریج نہیں تھی ان کی

تخریج حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے کی ہے، یہ مبارک کتاب حال ہی میں عمدہ کتابت اور آفسیٹ کی طباعت کے ساتھ کتب خانہ تحویلی سہارنپور سے شائع ہوئی ہے، اس کے صفحات ۳۲ ہیں اور سائز ۳۰/۲۰/۱۶ ہے۔

(۲) فیوض سبحانی شعبان ۱۴۱۹ھ نومبر ۱۹۹۸ء میں حضرت موصوف نے جامعہ قاسمیہ کھروڈ گجرات میں وہاں کے دارالحدیث کے افتتاح کے موقع پر ختم بخاری شریف کی مجلس میں جو تقریر فرمائی اس کو مولانا محمد حنیف صاحب نے کتابی شکل دیکر خوبصورت اور واضح انداز میں عنوانات قائم کر کے مرتب کیا اور جامعہ قاسمیہ نے اس کی اشاعت کرائی اس کے صفحات ۴۰ ہیں اور سائز ۲۶/۲۰/۸ ہے۔

حضرت موصوف کے دیگر رشحات قلم یہ ہیں

(۱) ارشاد القاصد الی ما تکرر فی البخاری باسناد واحد (۲) جزء قرأت (۳) جزء رفع الیدین (۴) جزء المحراب (۵) جزء معراج (۶) مقدمہ ابو داؤد (۷) مقدمہ مشکوٰۃ (۸) تخریج احادیث اصول الشاشی (۹) جزء حیات الانبیاء (۱۰) جزء عصمة الانبیاء (۱۱) الیواقیت والالی (۱۲) مقدمہ البخاری (۱۳) ترجمہ عبداللہ بن زبیرؓ (۱۴) مقدمہ ہدایہ۔ علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات رص: ۲۵۸۔ تاریخ مظاہر علوم جلد ۲ میں مندرجہ بالا کتابوں کے ساتھ ایک کتاب کا اضافہ ہے۔ ارشاد اللیب الی حدیث النجیب تاریخ مظاہر رص: ۲۶۰/ج: ۲)۔

مرثیہ

بروفات: محدث کبیر شیخ العرب والعجم حضرت اقدس الحاج مولانا محمد یونس صاحب نور اللہ مرقدہ

آہ اوجھل آسمان علم کا تارا ہوا	شیخ یونس دار فانی سے بقاء رخصت ہوا
سولہویں شوال ہے چودہ سو اڑتیس ہجری	گیارہ جولائی بوقت صبح سترہ عیسوی
تھے عظیم المرتبت وہ شخصیت عالی مقام	چشمہ عرفان ان کے دم سے تھا جاری مدام
آفتاب معرفت اور تھے محدث بے مثال	شیخ زکریا کے نائب اور یقیناً با کمال
رہبر راہ صفا اہل نظر کامل ولی	حضرت اسعد سے بھی ان کو خلافت تھی ملی
سادگی کا ایسا عالم دیکھا ان کے وعظ میں	کیا کہوں کیسے کہوں میں اور کن الفاظ میں
کس طرح سے میں کروں تعریف حضرت کی بیاں	ذات ان کی تھی نرالی ساری دنیا پر عیاں
میکدہ علمی کھلا تھا درمیان خاص و عام	اذن حضرت تھا پئے سب جو بھی آئے تشنہ کام
سرزمین ہند میں تھا جلوہ گر یہ آفتاب	تھا مگر پرتو سے جس کے ایک عالم فیضیاب
آج اک شاداب گلشن ہائے ویاں ہو گیا	ناز تھا جس پر ہمیں وہ نذر طوفاں ہو گیا
اس خبر وحشت سے یارو! سب ہوئے ہیں پر ملال	حال دل سب کا دگرگوں ہو رہے ہیں سب نڈھال
خوں فشاں ہیں آنکھیں سب کی دل بھی ہے اندوگیں	اور جگر ہے پارہ پارہ نیز بے رونق جبین
دی صدا ہاتھ نے اب کیا دیر ہے جلدی کرو	ہیں ملائک بہر استقبال مرقد لے چلو
جب چلا ہے سوئے منزل شیخ کا یہ راحلہ	دل شکستہ صف بہ صف تھا قافلہ در قافلہ
پیر طلحہ نے پڑھائی جب جنازے کی نماز	کی دعائے مغفرت سب پیش رب بے نیاز
پیکر حلم و حیا اور نیر افلاک کو	فرش خاکی پر لٹایا جو ہر نایاب کو
ہائے ہم سے چھن گیا ہے آج اک علمی چراغ	دیکھنے سے جس کے ہو جاتا تھا دل یہ باغ باغ
عبد والی پر سراپا ہے جدائی ان کی شاق	موت ہے عبرت سراپا یہ جہاں دار الفراق

بقلم: عبدالوالی منانی غفرلہ رجواڑوی خادم التدریس: مدرسہ امدادیہ اشرفیہ طیب نگر راجوٹی سیٹامڑھی

ذکر شیخ

بروفات حسرت آیات

استاذ الاساتذہ فخر المحدثین حضرت علامہ مولانا محمد یونس صاحب مظاہری جو پوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

کاوش قلم: احقر محمد قاسم لوہاری مبلغ جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع شاملی یوپی

دین و ملت کے مجاہد مرد مومن باوقار	پیکر صدق و صفا تھے نیک طینت بردبار
اللہ اللہ کیا خبر وحشت اثر ہم نے سنی	سینہ چھلنی ہو گیا ہے آنکھ بھی نم ہو گئی
حضرت علامہ یونس چل بسے سوئے عدم	علم و حکمت کے خزانے سے ہوئے محروم ہم
ہو گیا ہے علم و فن کا نیر اعظم غروب	یا الہی بخش دے مرحوم کے سارے ذنوب
مدتوں دنیا رہی سیراب فیضان و کرم	بارش لطف و کرم اب تھم گئی ہے یک قلم
جس کے دم سے تھیں بہار جاوداں کی رونقیں	اٹھ گیا ہے کون لیکر گلستاں کی رونقیں
اب کہاں سے لائیں گے وہ پیکر علم و عمل	کب ملے گا امت مرحوم کو نعم البدل
دل پریشاں، عقل حیراں، چاک دامان کیا کہیں	لٹ گیا ہے اب خوشی کا ساز و سامان کیا کہیں
ایک شمع مہر و الفت آج بے شک بجھ گئی	ایک عالم چل بسا ہے موت عالم کی ہوئی
یاد میں ان کی تڑپتے ہی رہیں گے ہم سبھی	ہے یہ ناممکن کہ ان کو بھول جائیں ہم کبھی
موت کی آغوش میں اعلیٰ محدث سو گیا	آدمی کا ذکر کیا خود آسمان بھی رودیا
بجھ گئی شمع فروزاں فق ہوا رنگ بہار	ہو گئی تقدیر پھر اکبار ظلمت کا شکار
جان و دل سے یوں دعائے خیر اب کرتے ہیں ہم	جنت الفردوس میں داخل ہوں شیخ محترم
کون لیکر چل دیا یوسف کو اب بازار سے	سسکیاں سنتا ہے قاسم ہر درو دیوار سے
شیخ کے مرقد کو یارب نور سے معمور کر	خلد میں یارب بہاروں سے اسے بھر پور کر

ان کی تصنیفات قاسم بادہ جمشید ہیں

اور دنیا میں ابھی وہ زندہ جاوید ہیں

آہ یونس ہر دل عزیز (رباعیات)

بروفات حسرت آیات

ریحانۃ الہند، محدث العصر، حضرت مولانا محمد یونس صاحب، جو پوری علیہ الرحمہ

مولانا ولی اللہ ولی بستی استاذ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

خدمت دیں کر رہے تھے یونس ہر عزیز پیکر علم و ہنر تھے صاحب عقل و تمیز
نسلِ نو کے ہے سروں پر ان کا احسانِ عظیم مغفرت فرمائے ان کی مہرباں ربِّ عزیز
زینتِ باغِ مظاہر رونقِ درسِ حدیث شیخ سے حاصل ہوا تھا منصبِ شیخ الحدیث
وہ کتابوں کے حوالے درس میں دیتے رہے صاحب تحقیق تھے وہ ماہرِ فنِ حدیث
عالمِ اسلام کے وہ تھے محدث نامور علم و فن کی مملکت کے وہ رہے ہیں تاجور
ان کے جانے سے مظاہر کا چمن سونا ہوا حشر تک روتے رہیں گے یاد کر کے بامِ دور
تھے نفاست کے وہ طالب تھے نظافت میں وہ طاق دل میں رہتا تھا حرم میں حاضری کا اشتیاق
ان کی فرقت سے ہوا ہے ہر کوئی تصویرِ غم ہر کسی کو ہے ستاتا آہ احساسِ فراق
شیخ زکریا کے تھے مرحوم منظورِ نظر اور اسعدِ رائے پوری کے رہے لختِ جگر
بھائی جیسا شیخ اطہر سے رہا ان کا سلوک حضرت مفتی مظفر کے لئے مثلِ پسر
وہ رہے ہیں ایک اہلِ فنِ اسماء الرجال درس میں ہوتا رہا ہے خوب ان کے قیل و قال
جو درِ دولت پہ آتے تھے لئے سچی طلب ان کے حق میں تھی زبانِ حق بیاں جامِ زلال
وہ چمن زارِ مظاہر کی رہے ہیں آبرو ان کے علم و فضل کی شہرت رہی ہے چارو

کس قدر مقبول تھا درسِ بخاری، کیا کہیں؟ کاروانِ علم کرتا تھا انہی کی جستجو
تھیں کتبِ نبی میں ان کی کس قدر گہرائیاں اور تھیں فکر و نظر میں کس قدر گیرائیاں
جو سبق میں آکے بیٹھا ہو کے گرویدہ رہا ان کی مجلس میں ہوا کرتی تھیں نکتہ سنجیاں
تھے مظاہر کے اکابر کی سنہری یادگار اور گزائرِ مظاہر کے رہے ہیں جاں نثار
ان کے چہرے سے رہی ہے پھوٹی نورانیت تھا سرِ نازاں پہ علم و فن کا تاج زر نگار
شیخ یونس کا زمانے میں بھلا ثانی کہاں نازشِ ہندوستان تھے اور تھے فخرِ زمان
شہ نشینی تھی انہیں حاصل مجالس میں مدام اہل عرفان و بصیرت اور تھے پیرِ مغاں
کل ترسی سال پر تھی مشتمل ان کی حیات ہیں بہت ان کی جہاں میں باقیاتِ صالحات
بارگاہِ کبریا میں ہے ولی کی یہ دعا نیکیاں مقبول ہوں مٹ جائیں ساری سیئات

سوزِ غم

بروفاتِ حسرتِ آیات

ریحانۃ الہند، محدث العصر، حضرت مولانا محمد یونس صاحب، جوہپوری علیہ الرحمہ
مولانا ولی اللہ ولی بستیوی استاذ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

شیخ یونس چل بسے ہیں جانبِ پروردگار رحمتوں کے زیرِ سایہ ہے بنا ان کا مزار
ان کی رحلت سے ہے سونی مجلسِ علم و ہنر ان کی مرگِ ناگہانی پر جہاں ہے سوگوار
یہ خبر جس نے سنی کہ شیخ رخصت ہو گئے وائے ناکامی زباں پر آگیا بے اختیار
اس خبر سے لوگ رنجِ غم سے بے قابو ہوئے چار جانب سے چلے آئے ہزاروں غمگسار
بستیاں کتنی خوشی کی ہو گئیں خانہ خراب کتنے دل چھلنی ہوئے آنکھیں تھیں کتنی اشکبار
ذرہ ذرہ پر الم، غم سے ہوا بوجھل ہوئی چہرہ خورشید فق تھا، تھی فضا بھی سوگوار
جو جنازے میں تھے آئے، تھے قریباً تین لاکھ غمزدہ جو آنہ پائے روتے تھے زار و قطار
سولہ شوال المکرم چودہ سو اڑتس تھا سن دو ہزار و سترہ جولائی گیارہ زیرِ بار
روز منگل دن میں تھے جب کہ قریباً دس بجے کر گئی پرواز تن سے آہ روحِ مستعار
لائے جب نعلینِ مبارک جانبِ دارِ جدید لگ گئی دیدار کرنے والوں کی لمبی قطار
غسل دیکر اک نیا جوڑا تھے زیب تن کئے چہرہ مرحوم کو سب دیکھتے تھے بار بار
مقبرہ مشہور ہے حاجی کمال شاہ کا ہو گئے مدفون وہیں آخر یہ شیخ باوقار
پیرِ طلحہ نے پڑھائی تھی جنازے کی نماز مقتدی تعداد میں لگتے رہے ہیں بے شمار

قبلِ مغرب جب جنازے سے فراغت ہوگئی تو لحد میں لے گئے احبابِ نعش تاجدار
جب انہیں دفنا چکے تو سب دعا کرنے لگے کہ خطائیں بخش دے مرحوم کی اے کردگار
حضرت شیخ مکرم تھے بڑے ہی باکمال شیخ زکریا کے تھے وہ جانشین و یادگار
تھی چمن زارِ مظاہر کی انہیں سے آب و تاب ان سے حاصل تھا ادارے کو بڑا ہی اعتبار
بذلہ سخی تھی سبق میں اور تھی نکتہ رسی مجلسوں میں تھے لٹاتے علم و فن کے برگ و بار
سب حوالوں سے مزین ہوتا تھا ان کا سبق اور پڑھنے والوں پر ہوتے تھے ابرِ درفشار
بیٹھتا تھا جو بہت محفوظ وہ ہوتا رہا ہو رہا تھا شیخ کا درس بخاری شاندار
تھیں حدیثیں یاد ان کو اور تھیں سندیں بھی یاد راویوں پر بحث کرتے تھے بہت ہی جاندار
حافظہ ان کا قوی تھا اور تھی شستہ زباں اور تھا تفہیم کا انداز ان کا پُر بہار
ہے ولی کی یہ دعا روزِ جزا ہوں سرخرو ہو سر یونس پہ یا رب؟ عرش تیرا سایہ دار

تاریخی قطعات

علامہ مظاہر علوم

۱۴۳۸ھ

عاشقِ علمِ حدیث و حیدرِ زماں محمد

۱۴۳۸ھ

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس والا حسب

۲۰۱۷ء

طالبِ حق شیخ محمد یونس آسودہ خاک ہو گئے

۲۰۱۷ء

عکس تحریر حضرت مولانا محمد یونس جو پوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی بھارت پر اعلیٰ اسی وقت کیا جانا ہر جگہ
وہ مسند طریقیہ نقل کا جائے ارسنہ اسکا افسانہ جناب کی جاننا ہر
اور اگر کسی بات کا دین و راجحیت سے تعلق ہو تو اسکی نقل کرنے میں استناد
کا اصرار کرنا اہم اس کا لازم ہونا ایک یہ بھی امر اور از یونس جو پوری
اسی کے حضرات سلف نے جب بھی نیازِ مملکتی اعلیٰ علیہ السلام کی کوئی خدمت
نقل کی تو سب سے پہلے اسکی نقل کی اور یہ سلسلہ چلتا رہا اور
محمد شہن کرام نے اسی کتابوں میں مدون کردہ اسکا مبدع جب ان کتابوں کی نقل
و روایت کا نمبر آیا تو مبدع کے علماء نے بھی ان کو اپنی اس سلسلہ کے نقل کرنے
کا اصرار کیا جس کا سلسلہ مجدد الداعیہ کے ہاں جاری ہے اس سلسلہ کے مبدع
کتابوں کا آغاز اس وقت اپنی اس سلسلہ بیان کر رہے تھے اور بعض
لکھنا شروع

غیر نثری قدر مولانا یونس جو پوری نے جب اسے ہر سال (دارالعلوم)
ہر لکھنؤ میں بنیادی شریف کا درس شروع کیا تو اسکی طلبہ کو اپنی مسند لکھنا
اور بنیادی شریف کی پہلی تلاقی خدمت کی مسند لکھنا سلسلہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیروی دیا اور جو ہر ایک راوی کا فقر و عارف لکھنا رجاء مسند کی شخصیات
کو واضح کر دیا تاکہ طلبہ ان سے واقف ہو جائیں امید ہے کہ یہ سلسلہ طلبہ اور مسند
کے علماء کے لئے رہنما ثابت ہو گا دل سے دعا ہے کہ اس سلسلہ کے مبدع یونس جو پوری
کو قبولِ فدا سے اور مافض بنائے

محمد یونس
مظاہر علوم

۲۳-۱-۱۹۱۸